جلد ۱۳۳ ماہ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۸۴ء عدد ۱

مضامین

مقالات

ادبیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

۲۲ نومبر ۱۹۸۳ء کو کراچی میں لیاقت کالج کی طرف سے استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی برسی یہاں کے جیمس ہوٹل میں بہت ہی باوقار طریقے پر منائی گئی، جس میں شہر کے اکابر اور معززین بڑی تعداد میں شریک تھے، اس برسی کے موقع پر حضرت سید صاحبؒ پر مختلف اخباروں میں مضامین شائع ہوئے، انگریزی اخبار ڈان میں مصباح الہدیٰ اسلام آباد کا جو مضمون ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے عنوان سے چھپا، وہ شوق سے پڑھا گیا، اور اس کا چرچا کئی جگہ رہا، اس موقع پر حضرت سید صاحبؒ کا مضمون رسول وحدتؐ بھی کئی اخباروں میں چھپا، لیاقت کالج کی طرف سے جو جلسہ ہوا، اس میں کراچی یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد حنیف فوق اور حضرت سید صاحبؒ کے مرید ارشد جناب غلام محمد نے بڑے اچھے مضامین پڑھے، پاکستان کے مشہور عالم مولانا حسن مثنیٰ ندوی، جناب فخرالحسن صاحب پرنسپل لیاقت کالج اور ان کے اسٹاف کے کچھ ارکین نے بھی اچھی تقریریں کیں، بہار کے مشہور شاعر جناب کلیم عاجز بھی اتفاق سے اس وقت وہاں موجود تھے، انھوں نے بھی اپنے تاثرات پیش کئے، مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس خاکسار کو بھی بولنا پڑا، اشکبار آنکھوں کے ساتھ جذباتی انداز میں اس کی وضاحت کی کہ استاذی المحترم مرحوم نے اسلام کے سفیر اور دبستان شبلی کے ضمیر بن کر کس طرح اپنے فرائض انجام دیئے، جلسہ کے صدر ریر اڈمیرل ام آئی ارشد نے کہا کہ سید صاحبؒ کی کتاب "عربوں کی جہازرانی" بڑی اہم ہے، بحریہ کے ہر نوجوان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، لیاقت کالج کے پرنسپل صاحب نے اعلان کیا کہ وہ ۱۹۸۴ء میں حضرت سید صاحبؒ کی صد سالہ سالگرہ بڑے پیمانے پر منانے والے ہیں۔

۲۶ نومبر کو کراچی کے اسلامیہ کالج میں بھی یہ برسی منائی گئی، اس میں یہاں بھی مدعو تھا، اسی کے احاطہ میں حضرت سید صاحبؒ کا مزار اقدس بڑے بے ہنگم حال میں تھا جس کو دیکھ کر دکھ ہوتا تھا، اب پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق کے حکم سے اس احاطہ کی چار قبروں کے لئے ایک عمدہ عمارت بنا دی گئی ہے، بیچ میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا مزار ہے، اسی کے بغل میں حضرت سید صاحبؒ کی ابدی خوابگاہ ہے، جس کو ان کے چھوٹے داماد سید محی الدین مرحوم نے بہت پہلے سنگ مرمر کا بنوا دیا تھا،

ان دو قبروں کے ساتھ پاکستان کے ریزرو بینک کے سابق گورنر جناب زاہد علی صاحب اور پاکستان کے ایک سابق میر کی قبریں ہیں، اب حضرت سید صاحبؒ کا مزار ان کے رتبہ اور وقار کے مطابق ہو گیا ہے، اس کے سامنے کی دیوار پر ان کی مختصر سوانح عمری کے ساتھ ان کی تمام تصانیف کے نام بھی درج ہیں،

مزار پر حاضری دی تو بے اختیار جی چاہا کہ اس کی تعویذ سے لپٹ جاؤں، زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ وہ دارالمصنفین کو علم و فن کا ایک تاج محل بنا گئے، ان کی ذات مبارک کی موجودگی میں اس پر چودھویں رات کی جو چاندنی چھٹکی نظر آتی تھی، وہ اب وہاں نہیں دکھائی دیتی ہے، آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے کہ انھوں نے اپنی نگرانی میں جن شاگردوں کو تیار کیا تھا، وہ ایک ایک کر کے اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے، اس بزم دوشیں کا ایک ٹمٹماتا چراغ میری حقیر ذات باقی رہ گئی ہے، انھوں نے بے سروسامانی کے عالم میں دارالمصنفین کے احاطہ میں علم و فضل کی جوت جگائی تھی، اس کے احاطہ میں وہ بے سروسامانی تو نظر نہیں آتی بلکہ اسکی ظاہری زینت و آرائش پہلے سے زیادہ ہے، مگر وہ جوت نہیں جو ان کے زمانہ میں تھی، چشم بینا رکھنے والوں کو وہاں ان کی روح منڈلاتی ضرور نظر آتی ہے، مگر انکے علم و فضل کی پاکیزگی اور سیرت کی طہارت سے ان کے حاشیہ نشینوں کے ذہن میں جو بالیدگی اور ان کی تحریروں میں جو تازگی پیدا ہوتی رہی، اب وہ ہاں نہیں ہو رہی ہے،

مزار کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اس کے اندر ابدی نیند سونے والے نے دارالمصنفین کو اپنے خون سے سینچا تھا، اپنے کو مٹا کر اس کے وقار کو بلند کیا تھا، اس کی شہرت بڑھانے میں انھوں نے جو محنت و ریاضت کی تھی اس سے مخلول ہو کر رہ گئے تھے، اس کے ہر ذرہ میں ان ہی کے دل و جگر کے ریزے ہیں، اب وہ نہیں ہیں تو خدایا ان کی اور ان کے استاذ محترم کی نیت بابرکت کی خاطر اس ادارہ کو اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش سے سیراب رکھ، تاکہ اس کے ذریعہ سے فیوض کی جو جوئبار بہتی تھی، وہ جاری رہے آمین، آنکھیں نم تھیں، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مزار کے مکین دارالمصنفین کے احاطہ میں آ رہے ہیں، جا رہے ہیں، قدم قدم پر علم و فن کے نئے نئے گل کھلا رہے ہیں،

اسلامیہ کالج میں جلسہ شروع ہوا تو اس کی صدارت سندھ کے محکمۂ اطلاعات کے سکریٹری جناب عبدالعزیز اشرفی نے کی، مقررین میں مولانا غلام محمد، جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ، مولانا عبدالقدوس بہاری اور جناب سلیم یزدانی تھے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس خاکسار نے عرض کیا کہ وہ یہاں نہ بلایا جاتا تو اچھا تھا کیونکہ مزار دیکھ کر اس کے رونگٹے رونگٹے سے آنسو ٹپک رہے ہیں جس کے بعد کچھ بولنا آسان نہیں، مگر ان کا اصلی خراج عقیدت تو یہ ہے کہ انھوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں جو تعلیمات دی ہیں، ان پر عمل کرکے زندگی کو سنوارنے کی کوشش کی جائے،

---

۳۱ نومبر کو قائد اعظم اکیڈمی کے ڈائرکٹر جناب شریف المجاہد نے علامہ محمد اقبال پر ایک مقالہ پڑھنے کے لئے مدعو کیا، اس جلسہ کی صدارت جناب ہاشم رضا نے کی جو اس اکیڈمی کے صدر ہیں، سامعین کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ علامہ محمد اقبالؒ یورپ کے فلسفیوں کی گاڑیوں کے حمال نہ تھے بلکہ وہ تو اس کے قائل تھے کہ خود یورپ کے فلسفی مسلمان حکماء کی گاڑیوں کے قلی ثابت کئے جا سکتے ہیں، ان کا خود بیان ہے کہ انھوں نے فرنگی بتوں کو دل ضرور دیا مگر ان کے دیر نشینوں کے درمیان اپنے کو گھلا ہوا پایا، اس طرح کہ اپنے سے ایسا بیگانہ ہو گیا کہ اپنے کو دیکھ کر پہچان نہ سکا، یہ بھی کہتے ہیں کہ مغرب کے میخانہ سے مے ضرور چکھی، مگر اس کو چکھ کر درد سر مول لیا، ان فرنگیوں کے ساتھ بیٹھا بھی، مگر احساس ہوا کہ ان کے ساتھ دن بے سوز گذرے

کراچی کے قیام میں کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ یہ خاکسار اپنے استاذ ذی المحترم کو نظر انداز کرکے اقبال پرست ہو گیا ہے، اس کو دور کرنے کے لئے لیاقت کالج کے پرنسپل صاحب نے اپنے کالج میں ایک تقریر کرائی جس میں اس خاکسار نے حضرت سید صاحبؒ کی تحریروں کو پیش کرکے یہ دکھایا کہ وہ جو کچھ لکھتا یا بولتا ہے، اسی اجمال کی تفصیل ہے، الحمد للہ کہ حاضرین مطمئن نظر آئے، جناب پرنسپل صاحب نے اپنے گھر پر بھی ایک نشست کرائی، اس موضوع پر مزید گفتگو ہوئی، وہاں اس پر بھی اصرار تھا کہ حضرت سید صاحبؒ کی تمام تحریریں شائع کی جائیں کوئی چھوٹی نہ جائے، اس موقع پر جناب عبدالغنی شمس نے حضرت سید صاحبؒ پر ایک نظم بھی سنائی،

.....ص.....

مقالات

مستشرقین کے اعتراضات کی نشر و اشاعت کس طرح ہوئی ہے
اور
اُن کی نوعیت، اغراض اور خاص محور

ترجمہ۔ ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

بزدلی اور لڑائیوں میں گھبراہٹ اور بے صبری الزام

قدیم و جدید کسی مورخ نے بھی آپ پر یہ الزام عائد نہیں کیا ہے مگر مستشرق پادری لامانس نے مورخین و ارباب سیر کے اجماع عام کے برخلاف آپ کو اس الزام سے متہم کرکے تمام عربوں کو بھی اسی لپیٹ میں لے لیا ہے، وہ کہتا ہے:

"لوگ عربوں کو شجاعت سے متصف مانتے ہیں۔ اور اسی کو دور اول کی اسلامی فتوحات میں ان کی کامیابی کی وجہ قرار دیتے ہیں، لیکن مجھے اس انتہائی مبالغہ آمیز رائے کو ماننے میں سخت تردد ہے"؛ ڈاکٹر عبدالحلیم رسول اللہ صلعم کی شجاعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آپ صلعم لڑائیوں میں خود فوج کی قیادت کرتے اور کسی جنگ میں بھی آپ صلعم پراگندہ خاطر نہ ہوئے، یہاں تک کہ احد کی لڑائی میں جب مسلمان عظیم ابتلاء سے دوچار ہوئے اور غزوہ خندق میں جب دشمنوں میں

کا لشکر جرار امنڈ پڑا تھا۔ اور حنین کے روز جب مینھ کی طرح نیزوں اور تیروں کی بارش ہو رہی تھی تب بھی آپؐ خائف اور مرعوب نہیں ہوئے۔

ان شواہد کے بعد بھی لامانس نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ آپؐ میں شجاعت، دلیری اور بہادری نہ تھی، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے یہ مسند روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلعم سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے بڑھ کر سخی تھے۔ اہل مدینہ گھبرا اٹھتے مگر آپؐ پر خوف طاری نہ ہوتا اور سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو جاتے۔ وہ جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ حنین سے واپسی کے وقت آپ نے ارشاد فرمایا تم لوگ مجھے جھوٹا بخیل اور بزدل نہ پاؤ گے، آپؐ بزدلی سے پناہ مانگتے، امام بخاریؒ عمرو بن میمون ازدی اور حضرت انسؓ سے یہ مسند روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ "اے اللہ میں عجز درماندگی، کاہلی وسستی، وحشت و بزدلی اور بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ داعیان حق کا یہی حال ہوتا ہے، وہ جو پیغام پہنچاتے ہیں، اور جسے نافذ و جاری کرتے ہیں، اسکی شدید مخالفت کی جاتی ہے، اس بنا پر ان کا شجاع اور نڈر ہونا ضروری ہے، رسول اللہؐ تو سب سے زیادہ بہادر تھے، اس لئے یہ الزام کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

(ج) **خواب و منام کی کثرت کا الزام** یہ بہتان قرآن و حدیث کی صراحت اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام اوصاف و عادات سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی، اس بنا پر لامانس کا یہ کہنا کہ "آپؐ بہت زیادہ سوتے تھے" یا تو اس کی واقعی جہالت کا نتیجہ ہے۔ یا اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا ہے۔ کیونکہ عربوں میں نقد و انتقاد کی قوت و صلاحیت حد سے بڑھی ہوئی تھی، اگر وہ آپ کی زندگی میں کسی ایسی بات کا مشاہدہ کرتے جو قرآن کی اس خبر کے مطابق نہ ہوتی کہ آنحضرتؐ رات کا ایک بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے، تو وہ آپ کی پیروی اور تصدیق نہ کرتے کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ

(مزمل - ۲۰)

بیشک تیرا خدا خوب جانتا ہے کہ تم اور تمھارے ساتھ کے لوگ کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات قیام کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ رات میں اس قدر طویل قیام کرتے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا، حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ رات میں نماز کے لیے قیام فرماتے۔ اس کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک اور پنڈلیوں میں ورم آجاتا تھا۔ اس بارہ میں جب آپؐ سے کچھ کہا جاتا تو فرماتے کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حافظ ابن حجر قرطبی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ استفسار کرنے والوں کا خیال تھا کہ عبادت الٰہی کے لیے مشقت جھیلنے کی وجہ گناہوں کا خوف اور رحمت و مغفرت کی طلب ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت ثابت شدہ امر ہے۔ اس لیے آپؐ کو عبادت کی کوئی احتیاج نہیں تھی آپ نے ان لوگوں کو بتایا کہ عبادت کا ایک سبب انعام و مغفرت کی شکر گذاری اور اس نعمت میں غیر مستحقین کو شریک کرنا بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپؐ نے اتنا لمبا قیام کیا جس کی وجہ سے میرے دل میں ایک برا خیال پیدا ہوا۔ لوگوں نے دریافت کیا، کونسا برا خیال پیدا ہوا، فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ بیٹھ جاؤں اور آپ کو چھوڑ دوں، امام مسلمؒ حضرت حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپؐ نے بقرہ، آل عمران اور نسائی سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھیں۔ اس درمیان میں جب آپ کوئی ایسی آیت تلاوت کرتے جس میں

تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپؐ تسبیح پڑھنے لگتے۔ سوال کا تذکرہ ہوتا تو سوال کرتے، تعوذ کا موقع ہوتا تو تعوذ فرماتے، پھر قیام سے کچھ کم دیر تک رکوع میں رہے۔ اور اس سے کم دیر تک قومہ میں رہے اور قیام ہی کے بقدر لمبا سجدہ کیا، حافظ ابن قیم جوزی فرماتے ہیں کہ آپؐ کبھی بستر پر سوتے، کبھی چمڑے کے فرش پر، کبھی چٹائی پر، کبھی زمین پر، کبھی تخت پر، کبھی ریت پر اور کبھی سیاہ کمبل یا بوریا پر آپ کا بستر گندمی رنگ کے چمڑے کا تھا۔ اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپؐ کے پاس ایک ٹاٹ تھا، آپ اس پر دو تہہ کرکے سویا کرتے تھے۔ ایک روز چار تہہ کرکے بچھایا گیا تو آپ نے ناگواری ظاہر کی اور فرمایا اسے پہلے کی طرح کر دو تاکہ اس کی وجہ سے رات کی نماز میں رکاوٹ نہ پیش آئے۔

ذرا غور کیجئے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا تو مستشرقین کی افترا پردازی کس قدر لغو ہے۔

بنی کی حیثیت سے آپؐ پر الزامات | نبیؐ کی ذات پر بحیثیت آدمی مستشرقین کے اعتراضات کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اب اسی طرح کے چند بے سر و پا اور الزام ملاحظہ ہوں، ان کا تعلق آپؐ کی نبوت و رسالت سے ہے۔

(الف) رسول کے نام پر اعتراض | ڈرمنگھم کا بیان ہے کہ نبیؐ کا اصلی نام قثم تھا۔ ولادت کے تھوڑے عرصہ بعد یا بعثت کے بعد اسے بدل کر آپؐ نے اپنا نام محمد رکھ لیا۔ حالانکہ اس کی نوعیت نام سے زیادہ لقب کی ہے۔ اسی طرح آپؐ کی کنیت عرصہ تک ابو القاسم رہی، لامانس وغیرہ نے بھی رسول کے نام کو ایک معما اور لاینحل مسئلہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ہوار اپنی کتاب تاریخ العرب میں یہ تعلیل و توجیہ پیش کرتا ہے کہ محمد کا لفظ اصلاً وصف ہے۔ اس کے ایک خاص معنی ہیں۔ اسی لیے لوگوں نے اسے ان کا لقب قرار دیا ہے۔ ڈرمنگھم کی کتاب کا مترجم

اس افترا پردازی کے متعلق لکھتا ہے "یہ عجیب و غریب الزام ہے، سب سے پہلے اسپرنگر نے اس کا ذکر کیا۔ اس کا ماخذ سیرت حلبیہ کی ایک روایت ہے جو امتاع سے اس طرح نقل کی گئی ہے کہ عبد المطلب کے بیٹے قثم نو برس کی عمر میں آنحضرتؐ کی پیدائش سے تین سال قبل فوت ہو گئے، عبد المطلب کو اس کا بڑا قلق ہوا۔ اس لئے جب آنحضورؐ کی ولادت ہوئی تو انھوں نے آپ کا نام قثم رکھا۔ مگر حضرت آمنہ نے کہلایا کہ انھیں خواب میں بچے کا نام محمد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس بنا پر عبد المطلب نے پھر ان کا نام محمد رکھ دیا"

اس روایت کا وضعی اور جعلی ہونا بالکل واضح ہے، اور اگر اس کی علتوں کو نظر انداز کرکے اسے مان بھی لیا جائے تو ادنیٰ غور و فکر کرنے والے کو بھی اس سے صرف یہی معلوم ہوگا کہ عبد المطلب نے آنحضرتؐ کی ولادت کے چند ہی لمحے بعد حضرت آمنہ کے اشارہ پر آپ کا نام قثم سے تبدیل کرکے محمد رکھ دیا۔ مگر ہر شفلڈ اسپرنگر کی اس رائے نے مستشرقین کے لیے قیاس آرائی اور افترا پردازی کا ایک نیا دروازہ کھول دیا، اور انھوں نے اس سے عجیب و غریب، اور نہایت بعید از قیاس نتائج اخذ کر لئے اور اس طرح کی بے سر پیر کی بات اڑا دی کہ آپ کا نام محمد بعثت کے بعد رکھا گیا، اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک ستم ڈھایا کہ قرآن میں جہاں محمد و احمد کا ذکر ہے وہ بعد کا اضافہ ہے۔ مثلاً

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیْ	اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے
اِسْرَائِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ	بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ	تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں اپنے سے پیشتر سے آئی
التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ	ہوئی توراۃ کی اور ایک پیغمبر کی بشارت سناتا
یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ	ہوا آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔
(صف: ۶)	

لیکن یہ ساری باتیں اسلام کے خلاف ان کے بغض وحسد کا نتیجہ ہیں، ورنہ یوحنا کی انجیل کے باب اصحاح (۱۴) میں فارقلیط کا لفظ آیا ہے، جو محمد ہی کے ہم معنی ہے۔ ان مستشرقین نے اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا کہ ان کے اس بے بنیاد الزام کے ماخذ سیرت حلبیہ کے اندر اس کا بھی ذکر ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے تقریباً سولہ اشخاص کا نام محمد تھا۔ علاوہ ازیں عربی زبان میں قثم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بدن گٹھا ہوا ہو یا جو جسمانی اعتبار سے کامل وجامع ہو، ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا تم قثم ہو اور تمھاری خلقت درست ہے، پتہ نہیں مستشرقین اس کے بارہ میں کیا کہیں گے؟ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بعثت کے بعد فرشتے نے آپ کو قثم کا خطاب عطا کیا تھا۔

(ب) رسول کی امیت | بار کہتے ہیں ..... دوسری آیت یہ ہے ۔

وَمِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ ... سَبِیْلٌ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔ (آل عمران - ۷۵)

اور اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس امانت کا ڈھیر بھی رکھو تو مانگنے پر لوٹا دیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں کہ اگر تم ان کی امانت میں ایک دینار بھی رکھو تو وہ اس وقت تک اس کو لوٹانے والے نہیں ہیں جب تک تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ، یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان امیوں کے معاملہ میں ہمارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے، اور یہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ بت پرستوں کے لیے امی یا امیین کا لفظ اہل کتاب یا یہودیوں نے وضع کیا تھا۔ اس رائے کی مزید تائید ہارنٹز کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ عبرانی میں اس کا مقابل لفظ اموت ہا عولام ہے، پھر وہ کہتے ہیں کہ محمد کی لفظ امی سے کیا مراد تھی؟ اس کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنی مشکل ہے۔ بول کا خیال ہے کہ امی سے وہ شخص مراد ہے جو لکھ پڑھ نہ سکتا ہو۔ اس کے معنی وثنی (بت پرست) نہیں ہے۔ مگر اس کے بعد وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض اسباب کی بنا پر امی کے معنی کی یہ تعیین دشوار ہے۔ کیونکہ عربی میں "امۃ"، عبرانی میں "اما" اور آرامی میں "امتیا" کا لفظ کسی امت یا قوم کی جہالت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ۔ ۔ ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امی کا لفظ حضرت محمدؐ کے لئے اس وجہ سے استعمال ہوا ہے کہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لفظ امی کا ان سب معنوں سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۔ (بقرہ - ۷۸)

اور ان میں امی (ان پڑھ) ہیں جو کتاب الٰہی کو صرف اپنی آرزوؤں کا مجموعہ خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف اٹکل کے تیر

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیین سے مراد نوشت وخواند سے ناواقف لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کو منزل من اللہ آسمانی کتابوں سے ناواقفیت تھی۔

مستشرقین کے اقوال کے تعارض وتضاد کو نظر انداز کر کے ان کے اس شبہ کی تردید میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱۔ نبی اکرمؐ کی شان میں امی کا لفظ سورہ اعراف کی دو آیتوں میں آیا ہے، یہ مکی سورہ ہے، چونکہ اس وقت تک آپؐ کا یہود سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس بنا پر یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسے یہود نے بت پرستوں کے لئے استعمال کیا تھا۔ عبرانی و آرامی میں اس کے مقابل کا ہونا بھی

اس کے یہود کی وضع و اصطلاح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ امی کا لفظ قرآن مجید میں چھ جگہ آیا ہے۔ اعراف کی دو آیتوں (۱۵۷ - ۱۵۸) میں اور آل عمران کی دو آیتوں (۲۰ و ۷۵) میں اور ایک ایک جگہ جمعہ (۲) اور بقرہ (۷۸) میں۔ ان آیتوں کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد نوشت و خواند سے بے بہرہ لوگ ہیں۔ اور یہی عربی زبان میں اس لفظ کے معروف معنی ہیں، لغت کے ائمہ اور عربیت کے ماہرین نے بھی اس کی یہی تشریح کی ہے، طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "عربوں کے نزدیک امی وہ شخص کہلاتا تھا۔ جو لکھنا نہ جانتا ہو"۔ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں: "نوشت و خواند سے ناواقف امی کہلاتا ہے۔ ام کی جانب اس کی نسبت بھی اسی معنی کی نشاندہی کرتی ہے۔ کہ قرأت و کتابت عورتوں کا عمل و شغل نہیں، قرآن نے آپ کی امیت کی صراحت اس طرح کی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ۔ (عنکبوت - ۴۸)

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے
تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے،
ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔

رسول کی امیت تواتر سے ثابت ہے۔ اور مستشرقین اس کی ذات سے جس نبوت کو سلب کرنا چاہتے ہیں اس کے دلائل میں امیت بھی ہے۔

۳۔ اوپر نقل کی گئی آیت (ومنھم امیون الخ) سے مقالہ نگار نے دعویٰ کیا ہے کہ اس سے مقصود خدا کی نازل کی ہوئی کتابوں سے عربوں کی عدم معرفت ہو، یہی رائے بعض مفسرین کی بھی ہے۔[1] طبری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک اثر بھی نقل کیا ہے۔"

---

[1] گو کثرت سے علما نے اسی معنی کو مراد لیا ہے جس کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، مگر محققین کے نزدیک صحیح قول دوسرا ہے، گو رسول اللہؐ کا نوشت و خواند سے عاری ہونا ثابت ہے، مگر تمام عربوں کا یہ حال نہ تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیین سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کی تصدیق نہیں کی تھی۔ اور خدا نے اس نام سے انھیں اس لیے موسوم کیا کہ وہ اس کی کتابوں اور رسولوں کے منکر تھے لیکن اس اثر کی سند میں ضعیف ہیں، اور یہ از روئے نقل بھی ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ضحاک اگرچہ ثقہ ہیں لیکن ان کی نہ حضرت ابن عباسؓ سے ملاقات ثابت ہے اور نہ کسی اور صحابی سے "اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تو مجازاً ہی یہ مفہوم مراد ہو سکتا ہے، مگر طبرانی نے اس کی تردید کی ہے، اور یہ تاویل کلام عرب کے معروف استعمال کے خلاف بھی ہے۔

(ج) قرآن خدا کی طرف سے وحی نہیں ہے۔ پہلے الزام سے زیادہ خطرناک دوسرا الزام یہ ہے کہ قرآن رسول اللہؐ کا کلام ہے جو آپؐ کے عمل اور کاریگری کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہے، یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ان غرض پسند مستشرقین کی نظر اللہ کے کلام اور رسول کے کلام کے اس فرق پر نہیں جاتی جو اسلوب اور اعجاز وغیرہ کے لحاظ سے دونوں میں ہے گو کہ رسول کا کلام بھی انسانی بلاغت و بیان کا سب سے عمدہ و ارفع نمونہ ہے، قرآن نے جب تمام انسانوں کو عموماً اور عربوں کو خصوصاً یہ چیلنج کیا کہ قرآن جیسا کوئی کلام یا اس کی کسی سورہ جیسی کوئی سورہ پیش کریں تو سب سے پہلے اس چیلنج کا خود محمدؐ ہی کو سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ آپؐ نے تو اپنی زندگی میں حدیث کی کتابت سے بھی منع کر دیا تھا تاکہ قرآن و حدیث ایک دوسرے سے گڈمڈ نہ ہو جائیں۔[1] یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ کیا کوئی مصنف برسر عام ایسے شاندار کارنامہ کو اپنی جانب منسوب کرنے کی تردید کرے گا۔ اور اس پر خود اپنی اس قدر شدید ملامت کرے گا۔ نیز کیا عربوں کا رسول کے کلام اور خدا کے کلام میں فرق و امتیاز کرنے سے عاجز رہنا ممکن ہو سکتا ہے جب کہ ان کی زبان دانی اور طلاقت لسانی مشہور ہے، بیان و بلاغت کا کوئی نکتہ شناس اور

---

[1] یہ ممانعت ابتدائی دور کے لئے تھی بعد میں رسول اللہؐ نے تحریر و کتابت کی اجازت دیدی تھی۔

عبقریت کا رمز آشنا قرآن مجید کے خدا کی وحی ہونے کا منکر نہیں ہو سکتا۔ انور جندی تحریر کرتے ہیں۔ مستشرقین کی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی ذہانت، عبقریت، فہم و فراست کی بنا پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن اس ماحول کے اثر سے آپ کے ذہن و دماغ میں ڈھلا جس میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی۔ اور جس میں آپؐ نے زندگی بسر کی تھی یا پھر وہ باطنی عقل کے فیضان کا نتیجہ ہے۔ اس پروپگنڈہ کا مقصد مسلمان کا قرآن سے رشتہ کاٹنا ہے کیونکہ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ محمد کا کلام ہے۔ تو لامحالہ یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ انسانی فکر و عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد اس کی ساری عظمت اور معنوی بلندی خاک میں مل جائے گی۔ اور مسلمان متفرق اور پراگندہ ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں نظم و نسق اور گوناگوں پہلوؤں سے نہایت واضح اور بین فرق ہے۔ علاوہ ازیں محمدؐ امی تھے۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ "تنہا یہی ایک ایسی دلیل ہے جس سے ان لوگوں کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو گذشتہ کتابوں سے واقفیت تھی، جب آپ کو اپنی قوم کے سوا کسی اور قوم کے واقعات و حالات کا علم ہی نہ تھا تو آخر کس ذات نے آپ کو اگلے لوگوں کے واقعات اور قصوں سے مطلع کیا تھا؟

(د) رسول اللہؐ کی اعصابی کیفیتیں

اسپرنگر کہتا ہے کہ آپ کو اعصابی عوارض لاحق ہو گئے تھے اور یہ انھیں اپنی ماں حضرت آمنہ سے وراثۃً ملے تھے، کیونکہ زمانہ حمل میں وہ ایسے خواب دیکھتی تھیں جو از قسم خرافات تھے۔ مگر ہیکل اس کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسپرنگر کی طرح ہمیں خوابوں کا سہارا نہیں لینا چاہئے۔ شیخ محمد عرفہ لکھتے ہیں ہم کو خوشی ہے کہ خود مستشرقین ہی نے اسپرنگر کے اس خیال کی تردید کر دی ہے کہ آنحضرتؐ کو اعصابی کیفیتیں اور حالتیں پیش آتی تھیں جو انھیں اپنی ماں سے وراثۃً ملی تھیں لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں کہ حضرت آمنہ کے خواب از قسم خرافات تھے، کیونکہ ان کا خواب دیکھنا محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح خواب دیکھنے والے

کے لیے اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہونا ضروری نہیں ہے۔

مستشرقین اور مسلمانوں میں سے متعدد محققین نے نفسیات اور علم تاریخ کی روشنی میں اس الزام کی تردید کی ہے۔ انھوں نے انسانی نفسیات کے مطالعہ اور آدمی کی صحت و مرض کا تجزیہ کر کے بتایا کہ اعصابی بیماریوں میں مبتلا اشخاص سے عظمت و برتری کے کمالات، قابل رشک و فخر کارنامے اور غیر معمولی ذہنی نتائج کا ظہور ناممکن ہے، نیز وحی کے حالات و کیفیات اعصابی امراض (مرگی اور بیہوشی وغیرہ) کی حالتوں اور کیفیتوں سے بالکل مختلف ہیں، ڈاکٹر ہیکل لکھتے ہیں، مستشرقین کی تحقیقات نے ان کی رہنمائی اس امر کی جانب کی ہے کہ آنحضرتؐ کو مرگی کی بیماری تھی، اس لئے آپؐ پر جنونی کیفیتیں طاری ہو جاتی تھیں، اس حالت میں آپ پوشیدہ ہو جاتے، بدن سے پسینہ بہنے لگتا، جسم میں تشنج آجاتا، اعضاء و جوارح سکڑ جاتے اور منھ سے جھاگ گرنے لگتا، جب افاقہ ہوتا تو آپ مسلمانوں کے سامنے تلاوت کرتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی جانب سے مجھ پر وحی ہوئی ہے، حالانکہ یہ سب باتیں مرگی کے دورے کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ مگر محمدؐ پر وحی کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی اور آپ پر جو کچھ فیضان ہوتا اس کی یہ تعبیر و توجیہ علمی حیثیت سے نہایت غلط ہے، کیونکہ جس پر مرگی کا دورہ ہوتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اسے اس اثنا میں پیش آنے والی باتیں یاد رہ جائیں بلکہ افاقہ کے بعد وہ ان سب باتوں کو بھول چکا ہوتا ہے، اور اسے بالکل ہی یاد نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا پیش آیا تھا کیونکہ فکر و شعور کی حرکت اس حالت میں یکسر معطل ہو جاتی ہے، لیکن وحی کے وقت پیغمبر کا یہ حال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ہوش و حواس بجا رہتے ہیں، اور اس کی قوت بیدار رہتی ہے اور جو کچھ اسے ملتا ہے۔ وہ اسے پوری توجہ سے سنتا اور محفوظ کر لیتا ہے اور پھر اسے اپنے ساتھیوں کے سامنے بیان کرتا ہے نزول وحی کے وقت روحانی ادراک گو مکمل طور پر بیدار رہتا ہے۔ تاہم جسم کی

اصل کیفیت کا اس وقت زائل ہو جانا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ اکثر تو نزولِ وحی کے وقت آپ عادی طریقے پر بالکل بیداری کی حالت میں ہوتے تھے۔ سورہ فتح کے نازل ہونے کے وقت آپ کی یہی کیفیت تھی، یہ سورہ واقعہ حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ واپسی کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اعصابی بیماریاں انسان کے ہوش وحواس کو معطل کر کے ایسی حالت میں کر دیتی ہیں جس میں شعور، احساس اور ادراک مفقود ہو جاتا ہے لیکن وحی میں یہ صورت پیش نہیں آتی بلکہ دراصل یہ روحانی ارتقا کا نام ہے جو انبیاءؑ ہی کو اللہ تعالےٰ عطا کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ اعلیٰ اور یقینی حقائق کو نبی کو ان پر القا فرماتا ہے تاکہ وہ انھیں لوگوں تک بھی پہنچا دیں

اعتدال پسند مستشرقین کی تصنیفات میں بھی اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے، مثلاً محمد رسولؐ (آینا دینہ) حیات محمد (ڈرمنگھم) حیات محمد (آرونگ) تہذیب وتمدن کی کہانی (ول ڈیوران) مشرقی تحقیقات (ڈاگوبیہ) وغیرہ

سنوک ہرگرنگ کہتا ہے کہ محمدؐ کا وزن تسلیم کرنا چاہئے۔ وہ تاریخ عالم کے ممتاز ترین فرد تھے۔ دوسرے مصنفین کی کتابوں میں بھی اس پر طویل بحثیں موجود ہیں اور انھوں نے وحی کی کیفیت بیان کرنے میں صحیح حدیثوں اور معتبر کتب سیرت کو ماخذ بنایا ہے۔

معجزاتِ نبویؐ کا انکار وحی کا خارقِ عادت ہونا بالکل واضح ہے، اور جب اس کی مختلف شکلیں احادیث سے ثابت ہیں تو دوسرے خوارق ومعجزات بھی اگر صحیح حدیثوں سے ثابت ہوں تو انھیں تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع ہو سکتا ہے، مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد یہ تصور اپنے دل سے نکال دینا چاہئے کہ آپ کی زندگی کا صرف ایک ہی معجزہ قرآن ہے، اور اگر کسی کا آپ پر ایمان ہی نہ ہو تو بھلا وہ آپ کے کسی معجزہ کو کیا تسلیم کرے گا۔

خواہ یہ معجزۂ قرآنی ہی کیوں نہ ہو

معجزات کی من مانی تاویل اور ان کی اپنی خواہشات کے مطابق توجیہ بڑی نارواجسارت ہے، نہ یہ بحث وتحقیق کا صحیح انداز ہے، اور نہ کسی معقولیت پسند شخص سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ معجزات کو مقتضائے عادت کے خلاف ہونے ہی کی بنا پر خوارق کہا جاتا ہے۔ اور جو چیزیں عادی اور مانوس طریقے کے مطابق ہوں۔ انہی کے امکان وعدم امکان کی بحث علم وقیاس کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن علم ودانش کا کبھی بھی یہ فیصلہ نہیں رہا ہے کہ مالوف اور عادی چیزیں ہی صرف ممکن الوقوع ہوتی ہیں، اور نامانوس اور غیر عادی چیزوں کا وقوع غیر ممکن اور محال ہے۔ اگر تم معجزات وخوارق کے متعلق علم، قانون اور ضابطہ کا فیصلہ معلوم کرنا چاہو گے تو ان کی زبان حال سے جس کو ہر صاحب علم ونظر سمجھتا ہے، یہی جواب ملے گا کہ معجزات وخوارق کا تعلق فنی وعلمی موضوعات سے نہیں ہے، اس لئے وہ ان کے بارہ میں کوئی متعین حکم نہیں لگا سکتے بلکہ خارق عادات چیزوں کے ظہور کے بعد ہی وہ بحث وتجربہ کا موضوع بن سکتے ہیں۔

براق، اسراء اور معراج کارادافو (Carra de Vaux) کہتے ہیں براق کا لفظ جو برق کے لفظ سے متصل اور جڑا ہوا ہے، افسانوں اور قصوں میں ایک عجیب شکل وصورت کے اس انوکھے اور بے بنیاد جانور کے لئے آیا ہے، جس پر رسول اللہؐ معراج کی شب میں سوار ہوئے تھے۔

احمد محمود شاکر اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسراء ومعراج کی حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ آنحضرت صلعم کو رات میں لیجانے کے لئے ایک چوپایہ لایا گیا تھا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، اور اس کا رنگ سفید اور رفتار بہت تیز تھی، محدثین اور علمائے فن کے نزدیک ان حدیثوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں بلکہ یہ متواتر اور

قطعی الثبوت ہیں، ان کو مفسرین کے اقوال قرار دینا غلط ہے، مقالہ نگار کو تعبیر و بیان کا یہ طریقہ اور ایسے نامناسب الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے تھا۔ مسلمانوں کے علماء کے نزدیک جو چیزیں تواتر سے ثابت ہوں ان کا صحیح اور یقینی ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ہے، ان کی نوعیت اساطیر اور افسانوں جیسی نہیں ہوتی، درحقیقت براق کا تعلق ان غیبی امور سے ہے، جن کی آنحضرتؐ نے خبر دی ہے، اور جو ماوراء مادہ ہونے کی وجہ سے آدمی کے احساس اور گرفت میں نہیں آسکتے ہیں، اس زمانہ میں فلکیات سے متعلق جو علمی انکشافات ہوئے ہیں ان کی حقیقت اس سے پہلے غیر معلوم تھی،

مقالہ نگار نے اسراء و معراج کو آنحضرتؐ کا خواب کہا ہے لیکن صحیح و صریح متواتر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالمِ خواب کا واقعہ نہ تھا، بلکہ روح و جسم کی بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اس کی اسی خصوصیت و اعجاز کے قریش منکر تھے، انھوں نے اس سلسلہ میں بعض مسلمان اہل قلم کا حوالہ بھی دیا ہے، جن کا یہ خیال ہے کہ معراج روحانی تھی، ان لوگوں کو حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے وہم ہوا ہے کہ "معراج کی شب آپؐ کا جسم مبارک اپنی جگہ پر موجود تھا" مگر یہ بے اصل جھوٹی اور گڑھی ہوئی روایت ہے، اس کی سندیں درست نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ کی رخصتی مدینہ میں ہوئی جب کہ اسرا کا واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ میں پیش آیا تھا۔[1]

---

[1] اس میں شبہ نہیں کہ جمہور کا وہی نقطۂ نظر ہے جس کی فاضل مصنف نے ترجمانی کی ہے مگر محققین اور علمائے حق کی ایک جماعت کی رائے وہی ہے جو حضرت عائشہؓ کے علاوہ بعض دیگر صحابہؓ سے بھی منقول ہے سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے آخر میں مصنف سیرت بھی جمہور کے مسلک ہی کو صحیح سمجھنے لگے تھے مگر دوسرے قول کو سراسر بے اصل قرار دینا بھی درست نہیں ہے علاوہ ازیں معراج جسمانی ہوئی ہو یا روحانی دونوں صورتوں میں اس کا معجزہ اور خارق عادات ہونا ظاہر ہے۔ (مترجم)

مستشرقین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار و عدم تصدیق کی یہ ایک مثال تھی، یہ عجیب بات ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کے خوارق و معجزات کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر آنحضرتؐ کے اسی قسم کے معجزات کو مستبعد قرار دیتے ہیں اور انھیں افسانہ اور خرافات شمار کرتے ہیں۔ اعتدال پسند مستشرقین ڈینہ، بوڈلی اور کارلائل وغیرہ کا حال یہ ہے کہ وہ آپؐ کے دوسرے معجزات کو نظر انداز کر کے صرف معجزۂ قرآنی سے آپؐ کی نبوت پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ یہی آپ کا دائمی فکری معجزہ ہے، اسے تعریف و توصیف کے پیرایہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ محمدؐ نے اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی ملائکہ سے بات چیت ہوئی یا عجائب و غرائب کا ان سے صدور ہوا، اور طبعی قوانین کے خلاف خرق عادت چیزیں ظاہر ہوئیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم ہی لوگوں جیسا ایک آدمی ہوں" ان لوگوں کا مقصد جو بھی ہو مگر اس سے غرض پسند مستشرقین کے لیے انکار نبوت کا مواد فراہم ہوتا ہے، اور معتدل مستشرقین کو بھی آپؐ کی اہمیت کو کم کرنے اور آپؐ کی ذات کو نکتہ چینی کا نشانہ بنانے کا موقع ملتا ہے۔

چونکہ رسول اللہؐ کے معجزات انشقاقِ قمر (چاند کا ٹکڑے ہونا) حنین جذع (درخت کے تنہ سے آواز نکلنا) تکثیر الطعام (تھوڑے کھانے کا زیادہ ہو جانا) نبع الماء (انگشت مبارک سے پانی کے چشمہ کا جاری ہونا) وغیرہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں بلکہ ان میں سے بعض معجزات کے طرقِ اسناد حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں، اس لیے مستشرقین کے انھیں نظر انداز کرنے اور نہ کرنے سے نہ تو کسی مسلمان کا ایمان ہی ڈگمگا سکتا ہے اور نہ انسانی عقل ان کے وقوع کو محال خیال کر سکتی ہے، موجودہ تاریخی حقائق نے بھی آپؐ کے بعض معجزات کے ثبوت مہیا کر دیئے ہیں، چنانچہ سائنس کے جدید انکشافات کے بعد چاند کے ٹکڑے ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اینا ڈینہ لکھتے ہیں کہ تمام مذاہب کے علمبرداروں میں صرف پیغمبر اسلامؐ ہی ڈ

واحد شخص ہیں جن کی رسالت کا ثبوت معجزات کا محتاج نہیں ہے، آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن مجید کی بلاغت ہے، قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیات میں اس کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (اسراء - ۵۹)	اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی۔

ڈینہ کا مقصد رینان کی تردید ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی مدح و منقبت کے ثبوت میں ان کے معجزات کو پیش کر کے کہتا ہے کہ اس طرح کے معجزات دوسرے انبیاؑ سے ظہور میں نہیں آئے، وہ معجزات کو اس لئے محال قرار دیتا ہے کہ وہ تاریخ و علم النفس کے اصول و قواعد کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس کی اس رائے سے عقلی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بعض مسلمان محققین بھی متاثر نظر آتے ہیں، عقاد کا بیان ہے کہ مخالفین کو دعوت دینے میں نبی کے لئے خوارق مفید نہیں ہوتے کیونکہ وہ لوگ تو معجزہ کو سحر و شعبدہ یا مدہوشی اور دیوانگی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور اس کے ذریعہ سے انبیاؑ کے لئے چاہے آسمان کا دروازہ ہی کیوں نہ کھل جائے۔ رسالت و نبوت کی اس سے بڑھکر اور کیا کرامت ہوگی کہ قرآن میں اس کی تو تاکید پر تاکید کی گئی ہے کہ آسمانی رسالت لوگوں کی عقل و ضمیر کی رہنمائی کے لئے ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک بنائی گئی ہے، مگر نبوت پر ہر قسم کے اعتراضات و اوہام کے باوجود اس کی صحت کو خوارق یا اخبار غیب سے مشروط نہیں کیا گیا ہے، فرمایا:

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (یونس: ۲۰)	اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہدو کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے سو تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے

وہ اس مفہوم کی مزید آیتیں نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علم غیب سے صرف اللہ ہی کو واقفیت ہوتی ہے۔ مگر اس مسئلہ کا معجزات سے کوئی تعلق نہیں، قدیم علمائے اسلام اور دورِ جدید کے فضلاء نے معجزہ کی حقیقت اور تمام انبیاؑ کے لیے اس کے ثبوت و امکان کے مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے، پس اسلام کی رو سے معجزہ کا ثبوت درست اور مسلّم ہے، یہ اس خارق عادت امر کا نام ہے، جو انبیائے مرسلین سے انکی نبوت کی صحت و صداقت ظاہر کرنے کے لیے صادر ہوتا ہے، پس معجزات کے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مادی علوم کے منافی ہو، مگر انسان عقل و ادراک کے ناقص و محدود ہونے کی بنا پر ان اسباب و مقاصد سے واقف نہیں ہوتا جن کے لیے یہ رونما ہوتے ہیں، مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسباب و علل اور اصول و قوانین کا صانع ہے۔ اس لیے وہ ان کو تبدیل کر دینے اور انبیاؑ کے ذریعہ مقتضائے عادت کے خلاف چیزیں ظاہر کر دینے پر بھی قادر ہے، ....

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم اور عظیم الشان معجزہ قرآن مجید ہے، یہ ابد تک قائم و باقی رہے گا اور اس اعتبار سے وہ دوسرے انبیاؑ کے معجزات سے ممتاز ہے، اور اس کے ماضی و حال اور مستقبل کے حقائق سے واقعی مطابق ہونے کی مثال دی جاتی رہے گی۔

شارع کی حیثیت سے نبیؐ پر اعتراضات۔

مستشرقین نے ان شرعی احکام و قوانین پر بھی اعتراضات کئے ہیں، جن کی نبی اکرمؐ نے دعوت دی ہے جیسے اسلامی عبادات، معاملات جہاد اور شریعت کے حکم و اسرار وغیرہ اختصار کی وجہ سے چند ہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ حج۔ ڈرمنگھم اپنی کتاب حیات محمدؐ میں لکھتا ہے۔ قریش عہد جاہلیت میں حج کے جو مراسم

ومناسک اختیار کئے ہوئے تھے، آنحضرتؐ نے اہل مدینہ کی امید وتوقع کے برخلاف ان ہی کو باقی رکھا کیونکہ آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ اس کی وجہ سے قریش اسلام کی جانب راغب ہو جائیں گے اور بتدریج ان چیزوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے جو روحانی بلندی کی موجب اور کتاب مقدس کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہیں۔

اس شبہ کی تہ میں متعدد اور شبہات بھی پنہاں ہیں، چونکہ فاضل مستشرق نے حج کے اعمال ومناسک کو آپؐ کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس لیے ہمیں اس پر ردوکد کی ضرورت پیش آئی، اس کا تحلیل وتجزیہ کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں،

(الف) ڈاکٹر منگھم یہ لکھکر قارئین کو باور کرانا چاہتا ہے کہ حج کے اعمال ومناسک خود نبیؐ کے وضع کئے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے قریش کو اسلام سے قریب کرنے کے لیے انکی خاطرداری ودلجوئی کا پورا لحاظ رکھا ہے، مگر فاضل مستشرقین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کے احکام ومسائل سرے سے کسی نبی یا رسول کی خواہش پر مبنی نہیں ہوتے، ان کی اصل نوعیت تو یہ ہو۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (نجم = ۴) — یہ تو وحی (حکم خداوندی) ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

جس نبی کی صداقت، امانت اور پیغام حق کو بے کم وکاست پہنچانے کی مسلّمہ شہادتیں موجود ہیں ڈبھلا اس قدر پست سطح پر کیسے اتر سکتا ہے کہ سیاسی قیادت کی ہوس کرے اور حق کے اصول ومبادی سے دستبردار ہو جانے اور ان کے بارہ میں بھاؤ تاؤ کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں لائے چاہے یہ ڈاکٹر منگھم ہوں یا کوئی اور مستشرق جب یہ لوگ یہ اور اسی طرح کے دوسرے دعوے کرتے ہیں تو ان کی دلیلیں کیوں نہیں پیش کرتے، اس کے بغیر کون ان کی باتوں سے مطمئن ہو سکتا ہے۔

(ب) ڈاکٹر منگھم کا مقصد یہ ثابت کرنا بھی ہے کہ حج کے اعمال ومناسک ملتِ ابراہیمی کی یادگار نہیں ہیں، بلکہ ان میں قریش کے حج کی نقل ومتابعت کی گئی ہے لیکن یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے، اور شریعت محمدی سے اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے، صحیح مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ میں ایک حدیث منقول ہے، جس کے متن کا خلاصہ امام مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ	جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) اپنے والد
قال دخلنا علی جابر بن	محمد بن علی (امام باقر) سے روایت کرتے
عبد اللہ فسأل عن القوم	ہیں کہ ہم چند لوگ جابر بن عبد اللہ کے پاس گئے،
حتیٰ انتہی الی فقلت انا	انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگ
محمد بن علی بن حسین فاھوی	کون ہیں (سب نے اپنا تعارف کرایا)
بیدہ الی راسی ۔۔۔۔	یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو
فقلت اخبرنی عن حجۃ	میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	چنانچہ انھوں نے اپنا دستِ شفقت
فقال بیدہ فعقد تسعا	میرے سر پر رکھا۔۔۔ میں نے عرض کیا کہ
۔۔۔ فلما کان یوم الترویۃ	مجھے رسول اللہؐ کے حجۃ الوداع کے بارہ میں
توجھوا الی منیٰ فاھلوا بالحج	بتایئے! انھوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے
ورکب رسول اللہ صلی اللہ	نو کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے ارشاد
علیہ وسلم فصلی بھا الظھر	فرمایا۔۔۔۔ جب یوم الترویہ (۸
والعصر والمغرب والعشاء	ذی الحجہ) ہوا تو سب لوگ منیٰ کے لیے

وانجر ثم مکث قليلا حتى طلعت الشمس وامر بقبة من شعر تضرب له بنمرة فسار رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا تشك قريش الا انه واقف عند المشعر الحرام كما كانت قريش تصنع في الجاهلية فاجاز رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اتى عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها حتى اذا زاغت الشمس امر بالقصواء فرحلت له فاتى بطن الوادي فخطب الناس.....

(صحيح مسلم بشرح النووي ج ۸ - ص ۱۸۱)

روانہ ہوئے (اور جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے) انھوں نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہؐ اونٹنی پر سوار ہو کر منیٰ چلے اور وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز ادا کی، فجر بعد تھوڑی دیر آپ اور ٹھہرے یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کو روانہ ہوئے، آپؐ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کیلئے نمرہ میں نصب کیا جائے، قریش کو اس میں شک نہ تھا کہ آپ مشعر حرام کے پاس قیام کریں گے کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہی کرتے تھے، مگر آپ (ان کے علی الرغم) مشعر حرام سے آگے بڑھ کر عرفہ پہنچ گئے اور نمرہ میں جو خیمہ آپ کی ہدایت کے مطابق نصب کیا گیا تھا آپ اسی میں اتر گئے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی "

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی حج کے اندر ایسی جو باتیں داخل کر لی گئی تھیں جن کا ملت ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس حدیث میں ان کو باطل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ

قریش عہد جاہلیت میں بیت اللہ کے مجاور و متولی ہونے کی بنا پر حدود حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے بلکہ اس حدود کے اندر مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام کی پہاڑی قزح کے پاس ہی وقوف کرتے تھے، اور اسے اپنا خاص امتیاز سمجھتے تھے، ان کو یقین کامل تھا کہ رسول اللہؐ بھی ان کے اسی خاندانی دستور کے مطابق مشعر حرام ہی کے پاس وقوف کریں گے اور وہاں سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط اور ملت ابراہیمی کے خلاف تھا۔ اس لئے آپنے آگے بڑھ کر عرفہ اور وادی نمرہ میں حدود حرم سے باہر قیام کیا جس کی ہدایت آپ کو اس آیت میں دی گئی تھی۔

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (بقرہ ۔ ۱۹۹)

پھر تم لوگ (قریش) بھی وہیں سے چلو جہاں سے لوگ چلیں۔

یعنی جس طرح تمام لوگ حدود حرم سے باہر عرفہ تک جاتے ہیں وہیں آپؐ اور آپ کے اہل خاندان بھی قیام کریں اس میں قریش کو کوئی امتیاز اور خصوصیت حاصل نہیں ہے۔

۲۔ حج کے سلسلہ میں مستشرقین کا دوسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ اس میں بت پرستی کا شائبہ اور ساحی قبائل کی رسموں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

(الف) مستشرقین اپنے پہلے دعویٰ کے ثبوت میں رمی جمرات (کنکریاں مارنے) کو پیش کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ رسم بت پرستی سے ماخوذ اور اسی کی یادگار ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، صرف سیرت کی کتابوں اور حدیثوں ہی میں اس کا ذکر ملتا ہے، اسلام سے قبل جمرات کے پاس خون سے رنگے ہوئے چند پتھر رکھے رہتے تھے، اور یہیں قربانی کی جاتی تھی۔

احمد محمد شاکر مرحوم اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ رمی جمرات بت پرستی کی علامت اور یادگار نہیں ہے، بلکہ حج کے شعائر اور دین ابراہیمی کی قدیم یادگاروں میں ہے۔

عربوں میں اس کی بعض چیزیں وراثۃً چلی آرہی تھیں، مگر اکثر چیزوں میں انھوں نے تحریف وتغیر کر ڈالا تھا، اسلام نے حج کے تمام شعائر کو خدائے واحد کی خالص عبادت کے لئے مخصوص کر دیا، وہ توحید اور خدا پرستی کا دین ہے، رسول اللہ ﷺ کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز رہی تھی کہ مسلمانوں کے اعمال، اقوال، عقائد اور عبادات میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

(ب) احرام | دوسرے دعوی کے سلسلہ میں مستشرقین کا خیال ہے کہ احرام کے لیے غسل کرنا اور خضاب اور خوشبو لگانا بھی ایسی رسم و یادگار ہے جس کا سلسلہ ان عبادتوں اور دعاؤں سے جا ملتا ہے جو قدیم زمانہ میں شیاطین کو بھگانے اور دور کرنے کے لئے کی جاتی تھیں، اسی طرح احرام کا کپڑا قدیم سامی لوگوں کے یہاں بھی بہت مقدس سمجھا جاتا تھا، کاہنوں اور زاہدوں کی چادریں بھی اسی وجہ سے سفید ہوتی تھیں، نیز بعض دینی رسمیں انجام دینے کے وقت جسم کی جانب توجہ نہ کرنا سامی قبائل کی معروف عادت تھی۔

اس سلسلہ میں بھی وہی جواب مناسب ہے، جو اوپر گذر چکا ہے، مزید وضاحت کے لئے یہ بتانا کافی ہوگا کہ اسلام خدائی شریعت اور قانون کا نام ہے، یہ اپنے تشخص، امتیاز اور جداگانہ خصوصیات کی بنا پر دوسرے تمام شرائع و قوانین سے بالکل مختلف و ممتاز ہے۔ اس پر کسی اور مذہب و شریعت کی کوئی چھاپ نہیں ہے، اگر کوئی اسلامی عبادت کسی قدیم عمل کے مشابہ ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا تعلق بھی آسمانی و الہامی شریعت سے ہوگا، اسلام کسی الٰہی قانون اور اسلامی عبادت کو برقرار رکھنے میں مزاحمت نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کی عبادت فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہوتی ہے۔ غسل، خضاب اور سفید کپڑا پہننا وغیرہ بھی عین فطرت کے مطابق ہیں، اسلام کسی چیز کو اس وقت تک ناگوار اور معیوب نہیں قرار دیتا جب تک کہ وہ

توحید خالص کے تصور کے منافی نہ ہو، غرض حج کے اعمال و مناسک کو بت پرستی کی علامت قرار دینا یا سامی قبائل کی یادگار بتانا مستشرقین کا ایسا فرضی دعویٰ ہے، جس کی تائید کسی قابل اعتماد تاریخی دلیل سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس حج کے تمام اعمال کا تعلق حضرت ابراہیمؑ کی عبادتوں سے جڑا ہوا ہے، سامی قبائل کی جسم کی جانب سے اہمال و غفلت کی مشہور رسم کو اسلام نے نہ حج کے اندر باقی رکھا ہے، اور نہ حج کے باہر، بلکہ وضو، غسل اور طہارت تو یہ مسلمانوں کی بہت سی عبادتوں کا خاص جز ہیں۔

(ج) جہاد | مستشرقین کے نزدیک جہاد قتل و خون ریزی اور دوسری قوموں کو زیر اور مغلوب کرنے کا نام ہے، وہ اس کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں اس کی سونتی ہوئی تلوار ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے عام مذاہب کے برخلاف دنیا کو اس قدر حیرت انگیز سرعت سے جو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا تو اس کا راز بھی اس کے تشدد و طاقت ہی میں پنہاں ہے، اس طرح اسلام اور دوسروں کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں وہی تعلق ہے جو ایک جڑ سے نکلنے والے دو درختوں میں ہوتا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے، اسی لئے تخریب، ہلاکت، دہشت، بربریت، خوں ریزی اور سفاکی ہی اسلام کے برگ و بار ہیں اور جبر، استبداد اور لوگوں کو زبردستی حلقۂ اسلام میں داخل کرنا اس کا شیوہ ہے۔

جہاد کے خلاف مستشرقین کی ان چند ہی ہرزہ سرائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ، بہترین حکمت و موعظت کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت، اسلامی حقائق پر لوگوں کا انشراح، متعدد قبائل کا رضا و رغبت سے اسلام قبول کرنا، اسلام کا عقیدہ و فکر کی آزادی کا اعلان، کلمہ پیش کر کے اسلام کی تلقین وغیرہ کے واقعات نہ کبھی پیش آئے اور نہ اسلام نے اپنی دعوت و تبلیغ کا کبھی یہ انداز ہی اختیار کیا۔

میکڈونالڈ لکھتا ہے، "تلوار کے ذریعہ اسلام کی نشر و اشاعت سارے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے"

جہاد کے مفہوم کی اس تحریف کے بعد اس نے جو نتیجے اخذ کئے ہیں وہ سب بھی نہایت بے بنیاد اور سراسر غلط ہیں، مثلاً پڑوسی قوموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط لکھے یا ان کے پاس جو وفود اور سفرا بھیجے، اس کا مقصد فاضل مستشرق کے نزدیک کشور کشائی اور ان قوموں کو سرنگوں اور مغلوب کرنا تھا، حالانکہ اگر کوئی انصاف پسند قرآن و اسلام کے مقصد و روح کو واقعی سمجھے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اسلامی جہاد ایک ایسا وقتی قانون ہے جو نہ تو جلدی اور رواروی میں تیار ہوا ہے، اور نہ عدم غور و فکر کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے، بلکہ یہ خدا کی طرف سے وحی کردہ ہے۔ اور اس کا منشا یہ ہے کہ اسلام ساری انسانیت کا دین بن جائے۔ اور اسے تمام مذہبوں پر برتری و بالادستی حاصل ہوجائے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے، جو پورا ہوگا۔

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ (ص۔۸۸) اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہوجائے گا۔

مستشرقین اور عیسائی مبلغین نے اسلامی جہاد کی جو تعبیر کی ہے اس سے اسلامی فتوحات اور جہاد کے اصل اسلامی اغراض و مقاصد کا حلیہ ہی بگڑ گیا ہے، کرین کا بیان ہے کہ فریضہ جہاد کی بنا پر کسی شخص کو بھی اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ نہ اسلام کا اصول ہے اور نہ علمائے اسلام نے اس کی کہیں صراحت کی ہے۔ مسلمانوں کے یہاں محض جنگ و قتال ہی جہاد کی صورت نہیں ہے، بلکہ کلمہ کی تلقین و دعوت اور علم کی طلب و اشاعت کا نام بھی جہاد ہے۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ بھی جہاد ہے، نیز نفس اور اس کی خواہشات سے بھی جہاد کیا جاتا ہے، یہ سب صورتیں بھی جہاد کے مفہوم میں داخل ہیں اور بہت مشہور ہیں۔

۳۔ اسلام صرف وعظ و پند کی دعوت ہے: کہاں تو یہ اعتراض تھا کہ اسلام قتل و خوں ریزی کا مذہب ہے۔

اور کہاں اس کے بالکل برعکس یہ کہا جاتا ہے کہ جہاد کا حکم تو صرف نبی ﷺ کی زندگی ہی تک کے لئے تھا، اور اب اس کا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا، ان لوگوں کی نظر میں اسلام صرف پند، موعظت، رہبانیت اور درویشی کا نام ہے، اور بعض مستشرقین کے نزدیک جہاد کی حیثیت دفاعی ہے، اسلام قتال کی اسی وقت اجازت دیتا ہے جب خود اس کو برباد کرنے کے لیے اس پر حملہ کیا جائے، مستشرقین کے اس پروپگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ خود مسلمانوں نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کر لیا ہے اور بقول مولانا مودودی اپنی اس طرح صفائی دینا شروع کیا ہے کہ

"حضور! بھلا ہم جنگ و قتال کیا جانیں، ہم تو بھکشوؤں اور پادریوں کی طرح پر امن مبلغ لوگ ہیں، چند مذہبی عقائد کی تردید کرنا اور ان کی جگہ کچھ دوسرے عقائد لوگوں سے تسلیم کرالینا بس یہ ہمارا کام ہے، ہمیں تلوار سے کیا واسطہ؟ البتہ اتنا قصور کبھی کبھار ہم سے ضرور ہوا ہے کہ جب کوئی ہمیں مارنے آیا تو ہم نے بھی جواب میں ہاتھ اٹھا دیا سو اب ہم تو اس سے بھی توبہ کر چکے ہیں حضور کی طمانیت کے لیے تلوار والے جہاد کو سرکاری طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے، اب تو جہاد فقط زبان و قلم کی کوشش کا نام ہے"

اس پروپگنڈہ سے برطانوی استعمار کو ہندوستان پر اپنا تسلط جمائے رکھنے میں بڑی مدد ملی، اس سلسلہ میں ان کو قادیانیوں سے بھی خوب سہارا ملا جو جہاد بالسیف کو موجودہ زمانہ میں باطل قرار دے کر انگریزوں کے معاون اور پشت پناہ بن گئے تھے۔

اطبائے قدیم اور نظریۂ جراثیم

اثبات و ابطال

از

جناب حکیم صیانت اللہ صاحب، امروہہ

دور جدید کے کتنے ہی نظریات کو جدید تحقیق کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ وہ ما قبل ہی سے محقق چلے آرہے ہیں، ان نظریات میں سے ایک نظریۂ جراثیم بھی ہے، جو موجودہ طریقۂ علاج کا جزو لاینفک بن چکا ہے، مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر دور جدید کے یونانی اطبا اور مفکرین و محققین کے لئے بھی یہ لائق توجہ بنا، ان جدید مفکرین نے جب اپنے خزینۃ العلم کا در کھولا تو جابجا منتشر حالت میں انھیں یہ سرمایۂ تحقیق ملا، اس لئے ان حضرات نے بھی تطبیقاً اس نظریہ پر اپنی مہر تحقیق و تصدیق ثبت کر دی لیکن متقدمین کی رہنمایانہ نشاندہی کے باوجود مسئلہ کے ان گوشوں کو درخور اعتنا نہ بنایا جو بہر صورت محتاج توجہ تھے، اسلئے بلحاظ بعض اعتبارات آج بھی مسلّم الثبوت ہوتے ہوئے دعوت تحقیق و نظر دے رہا ہے،

غور طلب امر یہ ہے کہ جب یہ مسئلہ اطبائے قدیم کے لئے بھی حقیقت ثابتہ تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ انھوں نے اسے نظری حیثیت سے تو موضوع بحث بنایا لیکن حیثیت سے وہ درجہ نہ دیا جو عملیات میں جاری و ساری ہے، اگر ان کی تحقیق بھی علمی حیثیت سے آج کی تحقیق کے مطابق تھی تو اصول و طریقۂ علاج میں یکسانیت کیوں نہیں؟ اس لئے مزید تحقیق کے بجائے صرف تطبیق سے کام لینا

عملی وفنی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، یہ حق جب ہی پورا ہو سکتا ہے جب کہ ما بہ الاشتراک کے ساتھ ما بہ الامتیاز پر بھی غور کیا جائے،

متقدمین جراثیم سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کی کنہ و حقیقت پر بھی نظر رکھتے تھے، انھوں نے بطور کلیہ و جنس تمام جاندار مخلوقات کو حیوانات کہکر چار نسلوں میں تقسیم کیا ہے، ذیل کے کلیہ میں جراثیم و وائرس بھی محصور ہیں، مثلاً

ان تولد الحیوانات علی اربعة	حیوانات کی تولید کی چار قسمیں ہیں، رحمی
اصناف ارحامی مثل الناس	جیسے انسان وغیرہ، انڈے کے ذریعہ
وغیرهم بیضی مثل الطیر و	سے جیسے پرندہ و مچھلی، نباتی و زمینی
السمك، نبتی و ارضی مثل	جیسے ذراریح، اور زمین کے دیگر کیڑے
الذراریح و دیدان الارض	اور ساخی جو جسم کے میل کچیل سے پیدا
او ساخی، یتولد من اوساخ	ہوتے ہیں جیسے جوئیں اور لیکھیں،
البدن مثل القمل والصیبان	

(فردوس الحکمت ص ۵)

چونکہ طب کا موضوع جسم انسانی ہے، اس لئے اس موضوع کے تحت ان مولدات کے لئے عنصر خلطی اخلاط، فضلات، و مواد اور ان میں طبخ و امتزاج سے بھی بحث کی گئی، اس طبخ و امتزاج و استحالہ کے نتائج میں ان مولدات کو قوت مصورہ نے طبیعت و مادہ کی مناسبت سے جو صورت عطا کی، بعد نظر اس کی نشاندہی بھی کی، اور یہ بھی رہبری کی کہ جس طرح جسم کے اندر ان فضلات و مواد میں ایک مخصوص امتزاج کے بعد جو مولدات نمودار ہوتے ہیں، اسی طرح زمین میں بھی مختلف طبائع و اشکال و صور کے حشرات پیدا ہوتے ہیں، اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے پہلے ایک اصول متعین کیا گیا کہ

واعلوان کل خلط یجتمع فی	جاننا چاہئے کہ جو خلط جسم میں مجتمع
بدن فلہ کیفیۃ وامتزاج الخ	ہوتی ہے، اس کے لئے ایک امتزاج و
	کیفیت ہوا کرتی ہے،

اس کے بعد تفصیلاً کہا تا کہ اس سے تکوین و تولید کا مسئلہ واضح ہو جائے،

ومتی کان فی ذالک الخلط	جب اس خلط میں امتزاج و نضج ہوتا ہے
امتزاج ونضج یمکن ان یکوّن	تو اس سے حیوان کی تکوین ممکن ہے اور
عنہ وکوّنت من الحیوان	یہ حیوانی پیدائش حسب امکان ہوا کرتی ہے
علیٰ حسب ما یمکن لان القوۃ	کیونکہ قوت مصورہ کسی جوہر کو اس طرح
المصوّرۃ لا یصنع جوھرا	نہیں چھوڑتی کہ وہ کوئی بھی ممکنہ حیوانی
یمکن ان یتصور منہ حیواناً	صورت اختیار کرے، بلکہ اس کو طبیعت
بل یصورہ بحسب طبیعۃ	، مادہ و امتزاج کے مطابق صورت عطا
ثم بحسب المادۃ وامتزاجہ	کرتی ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ
ومثال ذالک ما یتولد فی	جس طرح یہ جسم کے اندر پیدا ہوتے ہیں
البدن، مثل ما یتولد فی	اسی طرح زمین میں بھی مختلف صورتوں
الارض من الحشرات المختلفۃ	اور طبیعتوں کے حشرات پیدا ہو جاتے
فی الصور والطبائع، وانما اختلفت	ہیں، اور یہ اختلاف مواد و طبائع کے
بحسب المواد والطبائع،	مطابق ہی ہوا کرتا ہے،

(معالجات بقراطیہ
مخطوطہ ص۲۲۲)

اس تولید و تکوین کو بعض حیوانات کے لئے مخصوص قرار دیتے ہوئے مادہ تولید و سبب تکوین کی بایں طور وضاحت کی،

فی القمل والقمقام	جوں اور چم جوئیں سر میں پیدا ہو جاتی ہیں،
التی تحدث فی الرّاس	اور یہ علت کبھی تمام جسم میں عام بھی ہو جاتی
وھذہ العلۃ قد یعمّ	ہے، لیکن جب سر ہی کے ساتھ مختص ہو جائے
جمیع البدن فاذا اختص	تو یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ اخلاط
بھا الراس دل علیٰ انّ	جو اس کے موجب ہیں وہ سر ہی کے ساتھ
الاخلاط الموجبۃ لھا	مختص ہیں، جو بخارات کے ساتھ سر کی طرف
لذالک اختص بھا الراس	چڑھ جاتے ہیں، جلد کے نیچے ٹھہر جاتے
ترقب الیہ با لبخارات	ہیں، اور یہ ناپختہ رطوبات ہوتی ہیں
وسکنت تحت الجلد وھی	جو کم گرم ہوئیں، اور نہ تحلیل ہوئیں
رطوبات غیر نضیجۃ لیسخن	اور نہ جلد سے نفوذ کر سکیں، اور اس
اقل فلا یتحلّل ولا تنفذ	میں عفونت پیدا ہو گئی، اور اگر اس میں
عن الجلد فیعفن وتحدث	حریفانہ کیفیت پیدا ہو گئی، تو رطوبت پہلے
فیہ العفونۃ، فان کانت	کے مقابلہ میں زیادہ گرم ہو کر مسامات سے
الکیفیۃ حریفۃ سخنت الرطوبۃ	نفوذ کر جاتی ہے، بلکہ کچھ آخری حصہ
وسخنت اکثر من الاوّل	جلد کے نیچے باقی رہ جاتا ہے، اسی وجہ
فینفذ عن المسام نفوذا	سے وہ کھجلی پیدا ہو جاتی ہے جو جرب
مع بقاء اواخرھا تحت الجلد	دودیہ کے نام سے مشہور ہے، اور یہ

فيحدث الجرب المعروفة بالدودی وهو الذی يكون فيه حيوان شبيهة بالصيبان - والسبب فی تولد ذالك الخلط ذی العفونة وقد تتولد فيه الدود كما يتولد فی الشئ اذا سخن وعفن،

وہ ہے جس میں لیکھوں کے مشابہ حیوان پیدا ہو جاتے ہیں، اس کا سبب پیدائش فساد و عفونت زدہ خلط ہوتی ہے، جس میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ کوئی شے گرم ہو کر سڑ جائے،

(معالجات بقراطیہ مخطوطہ ص ۹)

مذکورۂ بالا مسئلہ اگرچہ جوں اور جم جوں سے متعلق ایک وضاحت ہے، مگر اس سے یہ بھی ثابت ہو کہ جوں ہو یا کوئی جرثومہ اس کا سبب تولید تو قابلِ عفونت خلط ہوا کرتی ہے، خواہ وہ جسم کے اندر ہو یا اس کے باہر،

بعض معاصرین کا خیال ہے کہ شیخ کے قول کے مطابق عفونت کے لئے محض حرارت و رطوبت کافی نہیں، نیز جسم کے اندر کوئی بھی خلط متعفن نہیں ہو سکتی جب تک کہ بیرونی اجسام خبیثہ کی اس میں رسائی نہ ہو، حالانکہ شیخ نے اخلاط کے طبعی اور غیر طبعی ہونے کے بیان میں اس کو غیر مبہم و واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے اور خون کے طبعی و غیر طبعی کی وضاحت میں کہا ہے، کہ

هو صنفان طبعی وغیر طبعی؛ والطبعی احمر اللون لا نتن له حلو جدا و غیر طبعی قسمان

دموی خلط کی دو قسمیں ہیں، طبعی و غیر طبعی، طبعی سرخ رنگ جس میں بدبو نہ ہو، اور بہت شیریں ہو، غیر طبعی

فمنه التغير عن المزاج لا بشئ خالطه لكن بان ساء مزاجه فی نفسه فبرد مثلا او سخن ومنه ما انما قد تغير بان حصل خلط ردی فيه وذالك قسمان فانه اما ان يكون الخلط ورد عليه من خارج فنفذ فيه وافسده و اما ان يكون الخلط فيه نفسه مثلا بان يكون قد عفن بعضه

(كتاب القانون جلد اول ص ۲۵)

کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کا مزاج صالح متغیر ہو جائے، نہ یہ کہ اس میں کچھ مل جائے لیکن اس کا مزاج فی نفسہ برا ہو جائے، مثلاً اس میں ٹھنڈک پیدا ہو جائے یا مثلاً اور گرم ہو جائے، دوسری یہ کہ اس میں اس طرح تغیر ہو کہ اس میں کوئی خلط ردی شامل ہو کر نفوذ کر جائے اور اس میں فساد پیدا کر دے، یا یہ کہ فی نفسہ خلط ہی میں کوئی تغیر لاحق ہو جائے مثلاً یہ کہ اس کا بعض حصہ عفونت اختیار کر لے،

شیخ کے مذکورۂ بالا بیان سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ خارجی شے بھی خلط غیر طبعی ردی میں شامل ہو سکتی ہے، جو کیڑا یا جرثومہ اور وائرس بھی ہو سکتے ہیں، اور خود فی نفسہ اس خلط میں تغیر لاحق ہو سکتا ہے، لیکن اس داخلی یا خارجی فساد و عفونت کے لئے جسم کا مستعد ہونا بھی ضروری ہے، اگر بدن اس استعداد سے عاری و خالی ہو تو نہ عفونت پیدا ہو گی، اور نہ خارجی تغیرات سے اجسام منفعل ہوں گے جیسا کہ شیخ نے خود حمّی وبائیہ میں اس کی وضاحت کی ہے، نیز صاحبِ کامل الصناعۃ نے اسس کو تفصیلاً بیان کیا ہے، مثلاً،

انّ الامراض الوبائیة لیست تحدث لجمیع الناس لکن ما کان

امراض وبائیہ تمام لوگوں میں پیدا نہیں ہوا کرتے، مگر جب ہوا کے مزاج

منها حادثًا عن تغير مزاج الهواء فمن شانها ان تحدث لمن مزاجه مشاكل المزاج الهواء في ذالك الوقت وما كان منها حادثًا عن تغير جوهر الهواء فمن شانه ان يحدث اكثر ذالك بمن كان في بدنه اخلاط ردية مشاكلة الجوهر الهواء الردى لانها في ذالك الوقت مستعدة بقبول ما يورثه فيها تلك العلل والامراض

(کامل الصناعہ جلد دوم ص ۳۳)

کہ کسی تغیر و تبدل کی بنا پر اس کا حدوث ہو جائے تو اس وقت یہ ضروری ہے کہ جو شخص اس سے متاثر ہو اس کا مزاج ہوا کے مزاج سے پوری مشابہت رکھے، اور جب یہ تغیر جوہر ہوا میں واقع ہو جائے تو یہ ضروری ہے کہ یہ زیادہ تر ان ہی لوگوں میں پیدا ہو جن کے بدن کے اخلاط ردیہ جوہر ہوائے ردی کے مشاکل و مشابہ ہوں کیونکہ ان حالات میں اجسام ان امراض و عوارض کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت رکھتے ہیں۔

مذکورۂ بالا موضوع بحث کے مطابق مذکورہ عبارت سے ایک نکتہ بھی سامنے آیا کہ اس میں محض تغیر مزاج الہوا، اور تغیر مزاج البدن نہیں کہا گیا، مشاکل کی تعبیر بھی کی گئی جس سے واضح مطلب یہ نکلا کہ اگر اس ہوائے ردی میں جراثیم وغیرہ بھی شامل ہوں اور فساد و عفونت کی موجودگی کی وجہ سے اس کے قوی امکانات موجود بھی ہیں تو یہ جسم میں اسی وقت موثر اور مرض کا باعث ہوں گے، جب جسم کے اخلاط ردیہ ان خارجی موثرات کے بالکل ہم شکل ہوں، شکل و صورت کی اس یکسانیت نے جسم میں جراثیم یا اجسام خبیثہ کی پیدائش اور اثر اندازی کے بہت سے پردے سامنے سے ہٹا دیئے۔

لیکن یہ داخلی یا خارجی فساد و عفونت و استعداد کیا ہے، اس کی وضاحت یوں طور کی گئی،

وكانت العفونة عبارة عن احالة الحرارة للجسم ذي الرطوبة الى مخالفة الغاية المقصود منه۔

(شرح قرشی، مخطوطہ ص ۲۰۲)

مرطوب جسم یا مقصود و غایت کے خلاف حرارت کا جسم میں بگڑ کر جانا عفونت ہے،

عفونت و فساد سے حیوانات کی تولید کس طرح ہوتی ہے، اس کی ایک مثال عرق مدنی کے بیان میں بھی ملتی ہے،

في عرق المدني هذا في الحقيقة ليس بعرق وانما هو حيوان يتولد في البدن كما يتولد باقي اصناف الدود وتولده عن مادة مائية شديدة العفونة والفساد اصلح احوالها بحسب مزاجها ان تتولد منها ذالك الحيوان،

(شرح قرشی مخطوطہ ص ۲۷۲)

عرق مدنی در حقیقت رگ نہیں ہے وہ تو بدن میں پیدا ہونے والا ایک کیڑا ہے، جیسے کیڑوں کی دوسری قسمیں ہوتی ہیں، اس کی پیدائش ایک مائی مادہ سے ہوتی ہے جس میں شدید عفونت و فساد موجود ہو، اس مادہ کے مزاج کے اعتبار سے اسی حیوان کا پیدا ہونا مناسب تھا،

عرق مدنی کو ابن جزلہ بغدادی نے بھی ایک خاص ہیئت کے ساتھ کیڑے کی

طرح تسلیم کیا ہے،

وعلامته شبه العرق	اس کی علامت رگ کے مشابہ جلد کے
تحت الجلد يتحرك كحركة	نیچے ایک کیڑے کی طرح حرکت کرتا ہے
الدود	
(تقويم الابدان فى تدبير	
الانسان (مخطوطه) ص ۱۹)	

ایک مخصوص رطوبت میں عفونت کی وجہ سے دانتوں میں بھی کیڑا لگ جاتا ہے جیسے

کرم دنداں سبب آں رطوبتے	دانتوں میں کیڑے کا سبب ایک
بود کہ در دنداں جمع آید و متعفن گردد	رطوبت ہوتی ہے، جو دانتوں میں
و قابل حیات کرمی شود،	جمع و متعفن ہو کر ایک زندہ کیڑے
(خلاصة التجارب ص ۳۰)	کی شکل اختیار کر لیتی ہے،

کان میں بھی کیڑا پیدا ہو جاتا ہے، اس کا سبب بھی ایک مخصوص مادہ میں عفونت پیدا ہو جانا ہے،

(چوں حدوث کرم در گوش از مادہ	عفونتی مادہ کان میں گر کر
عفن کہ بگوش ریختہ خواہد باشد	کیڑے کی پیدائش کا سبب ہو جاتا
(خلاصة التجارب ص ۲۷۶)	ہے

حسب مقام و مادہ کس قسم کے کیڑے اور جراثیم پیدا ہو سکتے ہیں، یہ بھی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے،

اما القمل فانه شيء يشبه	پلکوں میں جوں کے مانند ایک شے
بالقمل فى اصل الاشفار يعرض	پیدا ہو جاتی ہے، یہ ان لوگوں میں
لمن يكثر الطعمة ويقل التعب	ہوتی ہے جو زیادہ کھانے اور حمام و
والحمام - (كتاب الحاوى ج ۲ ص ۵)	مشقت کم کرتے ہیں،

مذکورۂ بالا عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ سر و جسم میں جس قسم کی جوں پیدا ہوتی ہے وہ پلکوں میں پیدا ہونے والی جوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اور ایسا اختلاف مواد و فضلات سے ہی ممکن ہے، اور یہ فضلات و مواد موقع و محل کے اعتبار سے تمام اجسام میں جداگانہ حیثیت و اشکال رکھتے ہیں مثلاً ایک اور جوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ گدھ کی جوں کے مانند کبھی انسانی جسم میں پیدا ہو کر شدید اذیت کا باعث بن جاتی ہے۔ مثلاً

العلة الاخرىٰ المعروفة لقمل	ایک دوسری بیماری قمل النسر کے نام
النسر وهذه ايضاً يعم جميع	سے مشہور ہے، یوں تو یہ بیماری تمام جسم
البدن غير انه اذا احدث فى	میں ہوتی ہے مگر جب سر میں پیدا ہو جائے
الرأس كان صعباً وسببه منه	تو بہت سخت بات ہے، اس کا سبب
ما ذكرنا من اجناس العفونة	بھی ہمارے ماقبل ذکر کے مطابق عفونت
وفسادها غير ان الفساد اذا	و فساد ہی کی جنس سے ہے ہاں اگر
عم واشتد كان فى خلط دسومة	کہ یہ فساد عام ہو کر شدت اختیار کر لے
فان قمل الذى يتولد كبارا"	یہ دسومت والی خلط میں ہوا کرتی ہے
ربما اخرجت القملة نصفها	اور بڑی شکل میں پیدا ہو جاتی ہے کہ
الى خارج الجلد ونصفها تحت الجلد	بعض اوقات اس جوں کا نصف حصہ

ثم هلك على تلك الحالة فتعدى	جلد کے باہر رہتا ہے، اور نصف جلد کے
ديتعبه الانسان۔	نیچے اور یہ اسی حالت میں مرجاتی ہے تو یہ
	انسان کو بے حد تعب عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے،

یہ جوئیں انسان کے بدن میں پیدا ہو کر کس قسم کے اذیت ناک وہلاکت خیز حالات پیدا کر دیتی ہیں، یہ بھی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

هذه هامة كالقملة او كاصغر	یہ جوئیں چھوٹی سی چھوٹی چیچڑیوں کے
القردان بصغرها وقد لايتوقى	مشابہ بہت خطرناک ہوتی ہیں، اور ان سے
منها وتسمى بالفارسية "زده"	بچا نہیں جا سکتا، اس جوں کو فارسی
وهى تفجر الدم من سائر البدن	میں "زده" کے نام سے موسوم کرتے ہیں،
من المسام ومن المقعدة و	اس میں تمام بدن کے مسامات، معدہ،
الصدر والبول وافواه المقعدة	سینہ، پیشاب، مقعد، ناک اور دانتوں
وبالرعاف ومن اصول الاسنان	سے خون پھوٹ پڑتا ہے اور بسا اوقات
وربما عظم الامر فيها فلا تقبل	یہ معاملہ اتنا سنگین ہو جاتا ہے کہ کسی دوا
الدواء۔ (المختارات ص۱۸۶)	کو قبول نہیں کرتا۔

عفونت سے کیڑوں اور حیوانات کی پیدائش کی واضح مثال شیخ کے بیان میں بھی موجود ہے، جس کا ذکر وبا کی علامت کے طور پر کیا گیا ہے۔

وترى الحيوانات المتولدة	وہ حیوانات جن کی پیدائش عفونت سے
من العفونة قد كثرت۔	ہوتی ہے کثرت سے نظر آئیں گی۔
(كتاب القانون جلد رابع ص۹۵)	(کتاب القانون جلد رابع)

وبائی دور کی بعینہ ترجمانی بعض متاخرین نے بھی اس طرح کی ہے کہ

ہرگاہ کہ بینند کہ حشرات وجانوران	جس وقت کہ کیڑے مکوڑے اور زمینی جانور
زمینی کہ از عفونت تولد کنند۔	دیکھے جائیں جن کی پیدائش
(ذخیرہ خوارزم شاہی کتاب پنجم ص۶۵)	عفونت سے ہوتی ہے۔

اس طرح حیوانات عجیبہ وعفنہ کی اصطلاح کے ساتھ دبیلات کے ذکر میں بکٹیریا جراثیم کے وجود کی ایک مشاہداتی مثال رازی نے بھی بیان کی ہے۔

اذا بططت دبيلات رأيت	میں نے دُبیلات میں شگاف دیا تو میں نے
فى داخلها انواعا مختلفة	ان کے اندر مختلف اجسام تر و سخت
اجساما رطبة وصلبة وحيوانات	اور عجیب قسم کے حیوانات عفونیہ کے
عجيبة كالحيوانات عفنية	مشابہ دیکھے۔
(كتاب الحاوى جز ثانى ص۱۰۵)	

مشتے نمونہ از خروارے مذکورۂ بالا چند مثالوں سے ثابت ہے کہ یہ حیوانات یا جراثیم اصل میں کچھ مخصوص گندے فضلات ومواد کی پیداوار ہیں، جن کو طبیعت دفع نہ کر سکے یا جن کی اصلاح نہ کر سکے، ان میں عفونت پیدا ہو کر جراثیم یا رازی کی اصطلاح کے مطابق عجیب متعفن حیوانات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، ثبوت روزمرہ کے مشاہدات سے بھی ملتا ہے کہ انسانی جسم میں جوئیں پیدا ہوتی ہیں، لیکن وہ دوسرے حیوانات سے مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح پھلوں، ترکاریوں اور غلہ وغیرہ میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے مختلف شکل وصورت رکھتے ہیں، اسی طرح حشرات الارض میں بھی مشابہت ویکسانیت نہیں ہوتی، نیز مرضی کیڑے بھی مختلف الاشکال ہوتے ہیں، جیسے دود القروح، دود الاذن، دود الانف، دود الامعا، صداع دودیہ، جرب دودیہ، حیوانات عجیبہ وعفونیہ وقمل النسر

وغیرہ۔ یہ اختلاف اشکال اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ تمام تر مولدات اور بکٹریا یا جرمس مواد و فضلات کے اعتبار سے پیدا ہوتے ہیں، اور طبیعت و مواد کے لحاظ سے قوت مصورہ ان کو شکل و صورت عطا کرتی ہے، چنانچہ ان مواد و فضلات کے مولدات کا نگاہ کی حد تک جس قدر مشاہدہ کیا جا سکا، اسی اعتبار سے ان کے نام رکھے گئے، مگر جب باریک بینی بصارت کا زیادہ ساتھ نہ دے سکی تو کھلے ذہن سے یہ اعتراف بھی کیا گیا، کہ کچھ اشیا اور اسباب کی جزئیات کا ہمیں بھی علم نہیں، یہ علمی اعتراف بعینہ ایسا ہے جیسا کہ جرمس اور وائرس کو خوردبینی گرفت میں لیکر بعض آزاد وائرس کو ابھی تک اس گرفت میں نہ لیا جا سکا، لیکن جزئیات کا علم نہ ہونا ان کو عدم کی دلیل نہیں، جیسے بعض وائرس کی عدم گرفت ان کے وجود کی نفی نہیں ہے، اگر اس وقت خوردبین معرض وجود میں ہوتی تو بزبان شیخ صرف (ورد علیہ من خارج یا مما یخالطہ من اجسام ارضیۃ وخبیثۃ) نہ کہا جاتا بلکہ باہر سے وارد ہونے والی شے اور اجسام ارضیہ خبیثہ کو یقیناً جراثیم اور وائرس جیسے ناموں سے تعبیر و موسوم کیا جاتا، یا صاحب کامل الصناعۃ کے قول کے مطابق زمانہ وبا میں "کان بدنہ اخلاطا ردیۃ مشاکلۃ بجواھرالھواء الردی" پر اکتفا نہ کیا جاتا، بلکہ اخلاط ردیہ اور ہوائے ردیہ میں باہمی شکل و صورت کو ایک پتھالوجسٹ کی طرح جراثیم اور وائرس کی شکل بھی مصور کر دی جاتی اور خوردبین نہ ہونے کے باوجود یہ تحقیق بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے کہ جرب اور کھجلی کی قسم کی نشاندہی کی گئی جس میں سوئی کی نوک کے برابر باریک کیڑے موجود ہوتے ہیں، اسی طرح قمل النسر کے نام سے ایک کیڑے کی تحقیق بھی بے حد محتاج توجہ ہے، کیونکہ گدھ مرغی کبوتر کی طرح اہلی اور پالتو جانور نہیں ہے، کہ اس کے جسم میں موجود جوؤں اور کیڑوں کا بآسانی مشاہدہ کیا جا سکے، چہ جائیکہ جسم انسانی میں بے حد کم پیدا ہونے والے مرض کو مختص کر کے اس کے شدید ترین عوارض کو بھی بیان کر دیا گیا،

یہ تھا اطبائے قدیم کے نظریات کے تحت جراثیم کا اثبات جن کو انھوں نے اخلاط و مواد ردیہ وعفونیہ کے ضمن میں موجبات عفونیہ کہہ کر مولدات وحیوانات عفونیہ واجسام خبیثہ کا نام دیا، لیکن ان ہی کے نظریات کے تحت اس اثبات میں یہ ابطال بھی مضمر و مستور ہے کہ جراثیم یا حیوانات عفونیہ و اجسام خبیثہ بلا واسطہ سبب مرض نہیں ہیں بلکہ سبب تو وہ عفونت ہے جو اخلاط غیر طبعیہ و مواد ردیہ میں پیدا ہوتی ہے، اور اس عفونت کے نتیجہ میں یہ مولدات ہویدا ہوئے، جو جسم کے اندر بھی ہو سکتے ہیں، اور اس کے باہر بھی، جیسا کہ حسب ذیل حوالہ سے ظاہر ہے، جس کی وضاحت جرب و دودیہ میں کی گئی ہے۔

وھوالذی یکون حیوان	وہ کھجلی ایک حیوان سے ہوتی ہے جو
شبیھۃ بالصیبان والسبب	لیکھوں کے مشابہ ہوتا ہے، اس کی
فی تولد ذالک الخلط قد عفن	پیدائش کا سبب ایک خلط ہوتی ہے
وفسد یتولد فیھا الدود کما	جس میں فساد و عفونت پیدا ہو کر کیڑا
یتولد فی الشیٔ اذا سخن	پیدا ہوگیا، جیسا کہ کسی بھی شیٔ میں پیدا
وعفن	ہو جاتا ہے، جو گرم ہو کر سڑ جائے،

(معالجات بقراطیہ (مخطوطہ) ص ۸۹)

اس عبارت سے واضح ہے کہ خلط و مادہ میں عفونت پیدا ہو کر کیڑے پیدا ہوا کرتے ہیں نہ کہ کیڑے عفونت پیدا کرتے ہیں، اس کی تائید مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے جیسے عرق مدنی (ناروہ) کو ایک کیڑے سے تعبیر کیا گیا ہے،

وتولدہ من مادۃ مائیۃ شدید	اسکی پیدائش ایک شدید العفونت
العفونۃ والفساد	و فاسد مائی مادے سے ہوتی ہے

(شرح قرشی (مخطوطہ) ص ۲۰۳)

وبائی زمانہ میں خارجی تغیرات سے ہوا تک متاثر ہو جاتی ہے، اس کا سبب بھی عفونت ہی ہے۔ مثلاً

ھٰذا الوبا ھو تعفن یعرض	ہوا میں تعفن پیدا ہو جانے کا
فی الھواء۔	نام وبا ہے۔

(کتاب القانون اول ص۱۱۹)

یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ یونانی نظریہ کے مطابق ہوا تو بسیط ہے، اس میں تعفن کیونکر ممکن ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے کہ

ان البسائط لا تعفن لانھا	بسائط میں عفونت پیدا نہیں ہوا کرتی،
خلقت بالطبع غیر قابلۃ	کیونکہ طبعاً ان کی پیدائش ایسی ہے
للتعفن لو کذالک لجاز	کہ وہ عفونت کو قبول ہی نہیں کرتیں،
ان یعفن جمیعا۔	اگر ایسا ہوا کرتا تو تمام اشیاء
(شرح قرشی مخطوطہ ص۸۲)	متعفن ہو جایا کرتیں،

متقدمین کی علمی بصیرت نے اس ممکن اعتراض کا رد بھی اسی وقت کر دیا تھا جو آج کی سائنس کا اہم ترین موضوع ہے کہ ہوا بسیط نہیں ہے۔

فانا لسنا نعنی بالھواء البسیط	ہم ہرگز اس ہوا کو ہوائے بسیط و
المجرد فان ذالک لیس ھو	مجرد نہیں کہتے کیونکہ ہمارے ارد گرد
الھواء الذی یحیط بنا۔ الخ	جو ہوا ہے وہ ہوا نہیں ہے۔

حفظان صحت کے بطور جن دو امور کو اہمیت دی گئی ہے، ان میں ایک عفونت بھی ہے جیسے کہ :-

بل انما تضمن امرین منع العفونۃ	بلکہ حفظ صحت دو امور پر مشتمل ہے،
اصلاً۔ الخ	ایک یہ کہ عفونت کو بالکل روکا جائے۔

مندرجہ ذیل عبارت اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ عفونت کوئی مرض نہیں ہے، بلکہ بلا واسطہ سببِ مرض ہے اس لئے بالواسطہ جراثیم سببِ مرض نہیں ہو سکتے، جیسا کہ حمیٰ عفونیہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

کحمی العفونۃ فان العفونۃ	حمیٰ عفونیت کی طرح، کیونکہ عفونت
سبب بلا واسطۃ ولیس العفونۃ	بلا واسطہ سبب ہے، اور وہ فی
فی نفسہ مرضا بل انما ھی	نفسہ مرض نہیں ہے، بلکہ مرض کا
سبب مرض۔	سبب ہے۔

(کتاب القانون جلد رابع ص[illegible])

مذکورۂ بالا واضح مثالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ طب یونانی میں امراض و اسباب میں عفونت و فساد کو بہت بڑا دخل ہے، اور یہ بھی محقق ہے کہ عفونت سے کیڑے پیدا ہوا کرتے ہیں جن کو جراثیم و وائرس کا نام دیا گیا ہے، نیز عفونت و فساد کے لئے مسبب و محل یعنی غیر طبعی اخلاط، فضلات و مواد ردیہ درکار ہیں، جس کو استعداد سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے اگر اطبائے قدیم نے اصول و علاج میں جراثیمی نظریہ سے صرف نظر کر کے اخلاط غیر طبعیہ اور فضلات و مواد ردیہ اور ان کی قابل تعفن حیثیت کو اولین درجہ دیا، تو میرے نزدیک یہ نظری و عملی دونوں حیثیتوں سے اصولِ طب کے عین مطابق ہے۔

ہمیں آنکھ بند کر کے محض جدید تحقیق پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے شاندار ماضی کو مد نظر رکھنا چاہیئے، ہمارے اسلاف نے بعض صنعتی آلات کے عدم وجود و ایجاد کی وجہ سے جہاں

اپنے قدم روک لئے تھے، ہمیں اسی کو نشان منزل بنا کر آگے بڑھنا چاہئے، اور یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے ماکولات و مشروبات سے .. ..

بدائے بدل ما یتحلل جسم میں مخصوص استحالہ کے بعد جو کیلوس و کیموس تیار ہوئے اور اخلاط وجود میں آئے، نیز بعض نقائص کی بنا پر ان سے جو غیر طبعی فضلات جمع ہوئے اور ان میں کچھ مخصوص تغیرات کی وجہ سے جو مولدات یا جراثیم معرض وجود میں آگئے، ان کو تلاش کرنا چاہئے، نہ کہ ان فروعی مولدات کے لئے اینٹی سیپٹک یا اینٹی بائیوٹک قاتل جراثیم زہروں کو جسم میں مسلسل پہنچاتے رہیں، جن کا جسم میں فساد انگیز رد عمل اور ری ایکشن ہوتا ہے اور جن سے ہزار ترقیات کے باوجود طب جدید پریشان و متفکر ہے، ہم اپنے تحقیقی نظریات کے مطابق جسم میں ان کا امتلا روکیں تاکہ جسم میں جراثیم کی تولید کی استعداد و صلاحیت کا سد باب ہو، اور عدم صلاحیت و استعداد کی بنا پر بیرونی و خارجی جراثیم نہ بدن کو متاثر کر سکیں اور نہ انھیں سامانِ حیات مل سکے۔

سلسلۂ حکمائے اسلام

یہ گرانقدر سلسلہ دو حصوں پر مشتمل ہے، جن میں تیسری صدی ہجری سے خاندان خیرآباد و فرنگی محل تک کے تمام مشہور مسلمان فلاسفہ و حکما کے حالات مستند ماخذ کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں، پہلے حصہ میں پانچویں صدی ہجری تک کے فلاسفہ اور حکما کے حالات ہیں، اس کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے، دوسرے میں متوسطین و متاخرین حکمائے اسلام کے سوانح و حالات کے ساتھ ان کی علمی خدمات اور ان کے فلسفیانہ نظریات و افکار کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(مرتبہ مولانا عبد السلام ندوی رح)

علمائے فرنگی محل کے شجرۂ نسب پر ایک نظر

از

جناب مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، چیرمین اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ

علمائے فرنگی محل، کے نسب نامے کے بارے میں اس حد تک تمام مورخین اور تذکرہ نگار متفق ہیں کہ وہ شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری ہروی (م ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) کے واسطے سے میزبانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو ایوب انصاری خزرجی، مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے،

مُلا قطب الدین شہید سہالوی (م ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء) نے جو اس خاندان کے قریبی جدا علیٰ ہیں صرف اپنی چند پیڑھیوں کا کسی سلسلے میں ذکر کیا ہے، مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) اغصانِ اربعہ کے مقدمے میں لکھتے ہیں :-

"حضرت مولانا شہید قدس سرہٗ نے اپنی مخطوطہ کتاب "تلویحات" کے آخر میں اپنے قلم سے اپنا نسب نامہ یوں تحریر کیا ہے، قطب الدین بن عبد الحلیم بن عبد الکریم ابن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدھ بن نظام الدین بن علاء الدین انصاری"

مُلا قطب شہید نے "علاء الدین" کو خواجہ عبد اللہ انصاری کی اولاد لکھا ہے، خواجہ عبد اللہ انصاری کا مزار "ہرات" میں ہے، وہ "شیخ الطائفہ" اور "پیر انصار" بھی کہلاتے تھے، اور ان کا نسب نامہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی (میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہونچتا ہے۔ یہاں تک نسب نامے میں کوئی اختلاف نہیں ہے،

علمائے فرنگی محل کے نسب نامے کے موضوع پر جو خصوصی رسالہ "قرۃ الابصار فی تحقیق نسب قطب الانصار" کے نام سے مولانا محمد عبد الباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی (م ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) نے تحریر کیا ہے اس میں وہ مذکورہ بالا اقتباس نقل کر کے لکھتے ہیں :-

"راقم الحروف نے بھی مُلّا قطب الدین شہید کی مخطوطہ کتاب "شرح چغمنی" کے آخر میں اُن کے قلم سے یہی نسب نامہ خود دیکھا ہے، اغصانِ اربعہ کے مصنف نے اس سلسلہ میں جو یہ تحریر کیا ہے کہ "چونکہ پورا نسب نامہ تمام تفصیلات کے ساتھ تحقیق نہیں ہو پایا اس لیے یہاں اس کا اندراج مناسب نہیں سمجھا"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پورا نسب نامہ درج کرنا ممکن تو تھا مگر چونکہ خود مصنف اغصانِ اربعہ کو اس کی تحقیق کا پورا موقعہ نہیں مل پایا اس لئے انھوں نے بلا تحقیق نسب نامہ اپنی کتاب میں درج نہیں کیا، ان کی کتاب اغصانِ اربعہ کا سنہ تصنیف ۱۲۵۲ھ [۱۸۳۵ء] ہے"۔ (۲)

مصنف "اغصان اربعہ" اس کتاب کی تصنیف کے بعد ۱۰ برس بقید حیات رہے، مگر اپنی اس تصنیف میں انھوں نے کوئی اضافہ نہیں کیا، ان کے بڑے بیٹے مولانا محمد انعام اللہ (ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر، وفات ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء) نے ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء تک خاندانی حالات کا اضافہ کر کے ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں "اغصان اربعہ" کو طبع کرا دیا۔ مطبوعہ کتاب کے آخر میں انھوں نے پورا نسب نامہ بھی درج کیا ہے، جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ "بڑی تحقیق"، "بے حد دقتِ نظر" اور "اکابر خاندان سے خوب پوچھ گچھ" کے بعد یہ نسب نامہ انھوں نے مرتب کیا ہے پورا شجرۂ نسب یوں ہے :-

مُلّا قطب الدین[۱] شہید سہالوی　بن　مُلّا عبد الحلیم[۲]　بن　مُلّا عبد الکریم[۳]
ابن شیخ الاسلام[۴] مُلّا احمد　بن　مُلّا محمد حافظ[۵]　بن　شیخ فضل اللہ[۶]
ابن شیخ محی الدین[۷]　بن　شیخ شرف الدین[۸]　بن　شیخ نظام الدین[۹]

ابن قطب العالم[۱۰] شیخ خواجہ علاء الدین　بن　خواجہ اسماعیل[۱۱]　بن　خواجہ اسحاق[۱۲]
ابن خواجہ داؤد[۱۳]　بن　خواجہ عزیز الدین[۱۴]　بن　خواجہ جمال الدین[۱۵]
ابن خواجہ دوست محمد[۱۶]　بن　خواجہ پیر غیاث الدین[۱۷]　بن　پیر معز الدین[۱۸]
ابن پیر حبیب اللہ[۱۹]　بن　خواجہ شمس الدین[۲۰]　بن　خواجہ جلال الدین[۲۱]
ابن خواجہ ظہیر الدین[۲۲]　بن　خواجہ سلطان محمد[۲۳]　بن　خواجہ نظام الدین[۲۴]
ابن خواجہ شہاب الدین[۲۵]　بن　محمود[۲۶]　بن　ایوب[۲۷]
ابن جابر[۲۸]　بن　مقرب باری[۲۹]　بن　خواجہ ابو اسماعیل عبد اللہ الانصاری[۳۰]
ابن ابو منصور محمد[۳۱]　بن　ابو معاذ[۳۲]　بن　محمد[۳۳]
ابن احمد[۳۴]　بن　علی[۳۵]　بن　جعفر[۳۶]
ابن منصور مت الانصاری[۳۷]　بن　حضرت ابو ایوب انصاری[۳۸] (۳)

یہی "نسب نامہ" مفتی محمد یوسف فرنگی محلی نے "سلم العلوم" کی شرح "قاضی مبارک" پر اپنے حواشی کے آخر میں درج کیا ہے، اس کے علاوہ مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ فرنگی محلی نے اپنی تصنیف "حسرۃ العالم بوفات مرجع العالم" میں بھی تقریباً یہی شجرہ دیا ہے۔

مولانا عبد الغفار فرنگی محلی نے اپنی تصنیف "الاسرار العالیہ فی مناقب الوالیہ" میں (جو مخطوطہ ہے) نیز مولوی رضی الدین محمود فتح پوری (اصلاً سہالوی) نے بھی اغصان الانساب میں (جو مخطوطہ ہے) تقریباً یہی شجرۂ نسب دیا ہے، اس سلسلے میں مولانا عبد الباقی کا بیان ہے،

"حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے جو نسب نامہ لکھا ہے بالکل وہی نسب نامہ ان کے عم محترم حضرت مولانا عبد الوالی قدس سرہٗ نے "اشعۃ اللمعات" کے مخطوطے کے آخر میں تحریر کیا ہے جسے میں نے خود دیکھا ہے، مولوی عبد الصمد کے قلم کے ایک ورق میں لکھا ہوا بالکل یہی نسب نامہ بھی میں نے دیکھا ہے، جو مولانا

محمد حامد کی کتابوں میں موجود ہے، میرے نانا مولوی محمد غضنفر نے اپنی اوراد کی کتاب میں یہی نسب نامہ لکھا ہے یہ کتاب میرے کتبخانہ میں اب بھی موجود ہے، جو نسب نامہ رضی الدین فتحپوری نے اغصان الانساب میں درج کیا ہے وہ بھی یہی ہے، فرق اتنا ہے کہ انھوں نے "شیخ فضل اللہ بن شیخ شرف الدین عرف شیخ بدھ بن شیخ نظام الدین" الخ تحریر کیا" (۴)

مولانا عبد الباقی مزید لکھتے ہیں :-

"یہ سب حضرات ایک ہی عہد میں تھے مولانا محمد عبد الوالی (۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء) میں پیدا ہوئے اور (۱۲۶۹ھ/۱۸۹۳ء) میں وفات پائی، مولوی عبد الصمد نے (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) میں مفتی محمد یوسف نے جو (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء) میں پیدا ہوئے، (۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء) میں وفات پائی اور مولوی محمد غضنفر نے (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) میں وفات پائی اور ان سب حضرات کے "نسب نامہ" تحریر کرنے کا زمانہ (۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء) معلوم ہوتا ہے "اغصان الانساب" کی تصنیف غالباً (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء) میں ہوئی [صحیح یہ ہے کہ "اغصان الانساب کی تصنیف بھی (۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء) میں ہوئی جیسا کہ اغصان الانساب کے دیباچے میں مصنف نے صراحت کی ہے]

استاذ محترم [مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی] نے مفتی محمد یوسف کی تحریر پر اعتماد کیا، مولوی انعام اللہ نے اغصان الانساب پر مولوی عبد الغفار نے مولانا محمد عبد الوالی کے تحریر کردہ نسب نامے کو بعینہ لے لیا (۵)

ان سب مذکورہ حضرات کے پاس یہ شجرۂ نسب پہنچا کہاں سے ؟ یہی استفسار مصنف قرۃ الابصار نے اپنے استاد مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (م ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) سے کیا جن کا جواب یہ تھا:-

"چونکہ مفتی محمد یوسف نے "قاضی مبارک" پر اپنے حواشی کے آخر میں نسب نامہ درج کیا تھا اس لئے میں نے اُن سے دریافت کیا کہ یہ انھوں نے کہاں سے نقل کیا ہے،

مفتی صاحب نے کہا کہ "مولانا محمد عبد الوالی سے" میں مولانا کے پاس گیا تو انھوں نے بتایا کہ "مولوی عماد الدین نے یہ شجرۂ نسب مجھے دیا تھا"، میں نے مولوی عماد الدین سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ میرے کتب خانے میں جو قدیم کتب ہیں ان میں سے ایک کتاب کے اندر ایک "ورقہ" برآمد ہوا جس میں ملا قطب الدین شہید کا نسب نامہ لکھا تھا" (۶)

مصنف قرۃ الابصار "دستیاب" ورقۂ نسب" کی استنادی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"یہ ملا عماد الدین وہ ہیں جنھوں نے سو برس کی عمر میں (۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) میں وفات پائی، اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے پہلے نصف میں نسب نامہ کا یہ پرچہ دستیاب ہو چکا تھا۔ اور مذکورہ کتب میں جو نسب نامے درج ہوئے ہیں اسی دستیاب "ورقہ نسب" پر مبنی ہیں" "انساب کے بارے میں گزرے ہوئے حضرات کی تحریروں پر بھروسہ کرنا اور اُسے بنیاد تحقیق بنانا بالکل بجا اور درست ہے، فقہاء اس مخطوطے پر جو محفوظ حالت میں پایا جائے اعتماد کرتے چلے آئے ہیں، دار القضاء میں محفوظ دستاویزوں پر قاضی بھروسہ کرتا ہے، اسی لئے "کتاب دیون" اور "کتاب حقوق" "وثائق شرعیہ میں شمار ہوتے ہیں" (۷)

اس کے آگے مصنف "قرۃ الابصار" نے "ورقہ نسب" کی صحت پر یوں روشنی ڈالی ہے :-

"حاصل کلام یہ کہ وہ ورق جو کتب خانے کی کسی کتاب کے اندر رکھا ہوا محفوظ حالت میں ملا ہے اس پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی بھی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، گویا یہ شجرۂ نسب جو کتابوں کے اوراق کے درمیان گم تھا، خاندان والے نہ جان پائے کہ کہاں ہے، اچانک

اُسے پالیا، اس شجرۂ نسب کے دستیاب نہ ہوپانے کے اسباب بھی قوی تر تھے
حضرت ملا قطب الدین شہید کردیئے گئے اور ان کا کتب خانہ قاتلوں نے نذر آتش
کردیا، جو بچا کھچا رہ گیا اُسے ان کی اولاد اپنے ہمراہ فرنگی محل لے آئی۔
منجھلے بیٹے ملا سعید اور بڑے ملا اسعد جو اس وقت جوان تھے سلطان عالمگیر کے پاس دکن
چلے گئے اور خدا جانے ان دونوں کی وفات کہاں ہوئی، مُلا نظام الدین [فرزند سوم]
اس وقت ۱۴ برس کے اور اُن سے چھوٹے مُلا محمد رضا بارہ برس کے تھے، اب کون بتاتا کہ
شجرۂ نسب کا یہ ورق کتب خانہ کے ساتھ جل گیا یا باقی بچا، اور اگر بچا تو افراد خاندان یا کتابوں
کے اِدھر اُدھر ہونے سے کدھر چلا گیا؟

اصل "حویلی فرنگی" میں مُلا سعید کی اولاد مقیم ہوئی، ملا نظام الدین نے حویلی کے ایک
حصے کو الگ کرکے اس میں سکونت اختیار کرلی، مُلا اسعد کی اولاد نے حویلی کے اصطبل میں
گھر بنا کر رہنا شروع کردیا، ملا محمد رضا نے اصل حویلی کی دوسری سمت گھر بنا کر رہائش اختیار
کی، ان میں سے ہر ایک کا ذخیرۂ کتب اس کے ساتھ اس کی رہائش گاہ میں منتقل ہوا، کتابوں
کا اس طرح اِدھر اُدھر ہونا ایک نئے تغیر کا سبب بنا، اب کون جانے کہ یہ ورق کس گھر
پہونچ گیا ہے اور کہاں رکھا ہے؟ مزید برآں ملا محمد رضا عرب کی سمت سفر کرگئے، اُن کے بیٹے
مُلا احمد حسین جو علامۂ وقت تھے ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں وفات پاگئے، ان کے بیٹے ملا سعد الدین
جو عالم تھے معاش کے حصول میں وطن سے باہر رہے، ان کے بیٹے عماد الدین اگر اتفاقاً اپنی
کتابوں کے اندر شجرۂ نسب کا ورق پاجاتے ہیں تو ذرا بھی حیرت کی بات نہیں ہے! نیز اس
زمانہ میں اہل خاندان کو اپنے خاندان کی تاریخ لکھنے کی طرف توجہ ہی نہ تھی کہ وہ نسب نامے
کی تلاش و جستجو کرتے، نکاح، بیاہ کے سلسلے میں نسب نامہ دکھانا بھی اس خاندان کے لئے

اس لئے لازم نہ تھا کہ ان کا نسب مشہور اور قبیلۂ انصاریہ سے ان کا تعلق معروف تھا۔ جب
خاندان کی تاریخ قلمبند کرنے کے لئے تفتیش احوال کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں
نے افراد خاندان کی پیدائش اور وفات وغیرہ کے سلسلے میں استفسار شروع کیا، اس وقت
اہل خاندان کو تنبہ ہوا اور خوش قسمتی سے اسی زمانے میں کتابوں کے اندر سے شجرۂ نسب
کا ورق ہاتھ آگیا، اس کی نقلیں لے لی گئیں اور اس امر کے پیش نظر کہیں یہ ضائع نہ ہوجائے
تصانیف میں اس کا اندراج کردیا گیا۔

مولوی عبد الاعلیٰ نے جن کا انتقال ۱۳۰۶ھ/۱۸۹۲ء میں ہوا تیرہویں ہجری صدی کے اوائل
میں "رسالہ قطبیہ" تالیف کیا، اور "مناقب رزاقیہ" کی شرح "محاسن رزاقیہ" کے نام سے لکھی اس
وقت تک شجرۂ نسب دستیاب نہیں ہوا تھا، یہ معلوم ہے کہ ان کے گھرانے میں یہ نسب نامہ
نہیں تھا، اسی لئے "محاسن رزاقیہ" میں اس عدم دستیابی کا اعتراف کرتے ہوئے انھوں نے
بر سبیل احتمال کسی تاریخ سے ایک نسب نامہ نکال کر درج کردیا۔ یہ احتمالی نسب نامہ درجۂ اعتبار
سے ساقط ہے" (۸)

"شجرۂ نسب کے ورق" سے متعلق مولانا عبد الباقی کی اس مدلل گفتگو کا خلاصہ پیش کرنے کی ضرورت
اس لئے پڑی کہ اُن کے شاگرد رشید، ممتاز عالم و مصنف مولانا محمد عبد الباری فرنگی محلیؒ نے قدرے مختلف
شجرۂ نسب بیان کیا ہے، جو اُن کی مطبوعہ عربی تصنیف "حسرۃ المسترشد بوصال المرشد" میں درج ہے،
یہ تصنیف انھوں نے اپنے والد ماجد اور مرشد مولانا محمد عبد الوہاب فرنگی محلی کی وفات سنہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کے فوراً
بعد اُن کے حالات میں کی تھی، (۹)

اُن کے "شجرۂ نسب" میں شیخ فضل اللہ (شجرۂ نسب کے ورق میں نمبر ۶) کے بعد ساتویں پیڑھی میں
شیخ محی الدین کے نام کی جگہ "شرف الدین" ہے جو مذکور "ورق" میں آٹھویں نمبر پر ہیں، مُلا قطب الدین

شہید کے قلم سے لکھی چند پیڑھیوں میں بھی "ورق" کا ساتواں نمبر "شیخ بدھ" آیا ہے جو "محی الدین" بھی ہو سکتا ہے اور شرف الدین بھی، یہ بہت جزوی فرق ہے، اور ایسا فرق قدیم شجروں میں عموماً پایا جاتا ہے، جو بڑا فرق استاد اور شاگرد کے پیش کردہ شجروں میں ہے، وہ شیخ علاء الدین (ورق میں دسویں نمبر پر) سے ہے۔

مولانا عبدالباری نے "شیخ علاء الدین" کے والد کا نام نصیر الدین بن بدر الدین بن شرف الدین لکھا ہے، اور دس پیڑھیاں اس کے اوپر "شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی کا نام لکھا ہے، نیز شیخ الاسلام کے جن بیٹے کی اولاد علمائے فرنگی محل کو بتایا ہے ان کا نام "اسماعیل" لکھا ہے۔

"ورقۂ نسب" میں شیخ علاء الدین کے اوپر انیس[19] پیڑھیوں کے بعد "شیخ الاسلام" کا نام آتا ہے اور اُن کے جن بیٹے کی اولاد میں علمائے فرنگی محل ہیں ان کا نام "مقرب باری" ہے۔

مولانا عبدالباری نے اگرچہ اپنے بیان کردہ نسب نامے کا کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا ہے مگر یہ تسلیم کیا ہے کہ "شیخ علاء الدین" (ورق شجرہ میں نمبر۱) کی اوپر کی پیڑھیوں میں ماہرین انساب نے اختلاف کیا ہے، "لیکن تحقیق وہی ہے جو انھوں نے درج کی"، (۱۰)

انھوں نے یہ تحقیق ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں کی تھی، اسی کی تقلید ان کے شاگرد اور مرید شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) نے "احوال علمائے فرنگی محل" میں کی، بلکہ صراحت کر دی کہ "مورخوں نے آپ کے [شیخ علاء الدین کے] نسب میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے، مگر ہم نے باتباع اپنے اساتذہ کے نسب مذکور اختیار کیا ہے"، (۱۱)

کتاب "احوال علمائے فرنگی محل" کا زمانۂ تصنیف ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء ہے۔ (۱۲)

مولانا عبدالباقی نے "شجرۂ نسب" کی تحقیق اور غلط روایتوں کی تردید میں اپنا مذکورہ بالا رسالہ ۹ر صفر ۱۳۳۱ھ (مطابق نومبر ۱۹۱۲ء) کو قلمبند کیا تھا، اس وقت مصنف ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہو چکے تھے، وہیں اس کے اکتیس[31] برس بعد ۲۶ر ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۰ر اپریل ۱۹۴۵ء

کو وفات پائی، (۱۳)

قطعیت کے ساتھ اب یہ بتانا مشکل ہے کہ مولانا عبدالباری کو جن کی وفات اپنے استاد مولانا عبدالباقی سے بیس[20] برس قبل ہو گئی تھی، اپنے فاضل استاد کی تحقیق سے استفادہ کا موقع ملا یا نہیں مگر اتنا یقینی ہے کہ استاد کے رسالے کی تصنیف کے زمانے (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) سے لے کر اپنی وفات (جنوری ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) تک مولانا عبدالباری کی سیاسی سرگرمیاں ان کی علمی سرگرمیوں پر اس قدر حاوی رہی تھیں کہ ان کو کسی مزید تحقیق کا وقت ہی نہ مل سکا۔ نیز مولانا عبدالباری نے اپنی عمر کے آخری دس برسوں میں خاندان کے حالات اور اس کے شجرۂ نسب سے متعلق نہ کوئی تصنیف لکھی نہ کوئی اظہار خیال کیا، اس موضوع پر ان کی عربی تصنیف "آثار الاول من **علمائے فرنگی محل**" ۱۳۲۴-۲۵ھ/۱۹۰۶-۰۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں نسب نامے کے سلسلے میں وہ تفصیل میں نہیں گئے ہیں۔

مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی (شاگرد مولانا عبدالباری فرنگی محلی) نے جب ۱۳۴۷ھ میں "تذکرۂ علمائے فرنگی محل" قلم بند کرنا شروع کیا تو ان کے پیش نظر شجرۂ نسب کا یہ اختلاف ضرور تھا، مگر انھوں نے یہ "تذکرہ" خود ان کے الفاظ میں :-

"یکم محرم ۱۳۴۸ھ سے لکھنا شروع کیا اور محرم کے اختتام پر اس کا اتمام کیا"، (۱۴)

شجرۂ نسب کے اس اختلاف کا حوالہ دے کر انھوں نے لکھا ہے :-

"مجھکو خود اس بارے میں تحقیق کا موقع نہیں ملا ہے"، (۱۵)

تاہم اپنے استاد کے درج کردہ شجرۂ نسب پر استاذ الاساتذہ مولانا محمد عبدالباقی کے تحقیق کردہ شجرۂ نسب کو انھوں نے بھی ترجیح دی ہے، لکھتے ہیں :-

"یہ نسب نامہ [جو اغصان اربعہ کے آخر میں درج ہے اور جسے مولانا محمد عبدالباقی نے تسلیم کیا ہے] حضرت مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبہ نسب نامے سے تھوڑا مختلف

ہے مگر حضرت استاذ [مولانا عبدالباری] رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی الطاف الرحمٰن صاحب کے مکتوبہ نسب نامے سے بہت کچھ مختلف ہے، "قرین قیاس" "اغصان" کا نسب نامہ ہے" (۱۶)

مولانا عنایت اللہ بھی اپنے استاذ الاساتذہ مولانا عبدالباقی مہاجر مدنی سے چار سال قبل انتقال کر گئے تھے! ایک مہینے کے اندر "تذکرۂ علمائے فرنگی محل" قلم بند ہوجانے کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی باتیں تشنۂ تحقیق رہ گئیں، بہت سے وہ اُمور جو تفصیل چاہتے تھے مجمل رہ گئے، رجال اور واقعات سے متعلق سنین کا حوالہ بھی کہیں کہیں سادہ رہ گیا۔

جدی و استاذی، مصنف "تذکرۂ علمائے فرنگی محل" سے شجرۂ نسب کے سلسلے میں ایک تسامح بھی ہوگیا، جس کو "عجلت تصنیف" ہی کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، یعنی جس نسب نامے کو انھوں نے "قرین قیاس" قرار دے کر درج "تذکرہ" کیا، آگے جاکر اس سے بالکل ذہول ہوگیا، اور "احوال علمائے فرنگی محل" میں درج شجرۂ نسب کے بعض اکابر کے احوال اس صراحت کے ساتھ نقل کر گئے :-

"احوال علمائے فرنگی محل" میں دادا حافظ تک جو احوال مذکور ہیں بقدر ضرورت بعض تغیرات و اضافے کے ساتھ لکھتا ہوں" (۱۷)

جس کتاب سے انھوں نے "احوال" نقل کئے ہیں اس میں "علاء الدین" (ورقۂ نسب میں دسویں نمبر) کو شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی کے بیٹے اسماعیل کی اولاد بتایا گیا ہے، اور ورقۂ نسب میں جسے مصنف "تذکرہ" نے "قرین قیاس" قرار دیا "علاء الدین" شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی کے بیٹے جابر مقرب باری یا جابر ابن مقرب باری کی اولاد ہیں،

ان علاء الدین کے بارے میں "احوال علمائے فرنگی محل" میں ایک طرف یہ ہے کہ ان کا انتقال ۲۱ شوال ۷۶۷ھ میں ہوا اور موضع شیخ پورہ میں اپنے والد بزرگوار مولانا نصیر الدین کے مقبرے میں دفن ہوئے، دوسری طرف یہ کہ علاء الدین خلجی شاہ دہلی ان کا مرید تھا، (۱۸)

حالانکہ ان "علاء الدین" کی وفات سے ایک سو ساٹھ سال قبل سلطان علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء) دنیا کو خیر باد کہہ چکا تھا۔ اُس کی وفات تک یہ علاء الدین ہی نہیں ان کے والد مولانا نصیر الدین بھی پیدا نہیں ہوئے تھے، جن کے بارے میں "احوالِ علمائے فرنگی محل" میں لکھا ہے کہ :-

"نوے برس کی عمر میں یا ۹۹ یا ۱۰۱ برس کی عمر میں ۱۱ ذی الحجہ ۷۲۹ھ / ۱۳۲۹ء یوم یکشنبہ کو وفات فرمائی۔" (۱۹)

۱۰۱ برس ہی کی عمر مان لی جائے تو ان علاء الدین کے والد ماجد مولانا نصیر الدین کی پیدائش ۷۴۳ھ قرار پائے گی، یعنی سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بتیس سال کے بعد!

صد سالہ مولانا نصیر الدین کے والد ماجد مولانا بدر الدین کے بارے میں "احوال علمائے فرنگی محل" میں ہے کہ وہ اپنے شیخ طریقت حضرت نصیر الدین چراغ دہلی [۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء] کے حکم پر "برناوا" [متھرا اور دہلی کے درمیان واقع، اب ضلع میرٹھ میں] قیام پذیر ہوئے اس سے قبل وہ مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہے، دہلی میں "منارہ شمسیہ" (قطب صاحب کی لاٹ) کے پاس ان کا مدرسہ تھا (۲۰)

(باقی)

حوالہ جات

(۱) اغصان اربعہ (فارسی) مطبوعہ مطبع کارنامہ فرنگی محل لکھنؤ ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء ص ۳

(۲) قرۃ الابصار فی تحقیق نسب قطب الانصار (فارسی مخطوطہ نزد راقم)

(۳) اغصان اربعہ مذکورۂ بالا۔

(۴) قرۃ الابصار مذکورۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) حوالۂ بالا۔

(۸) حوالۂ بالا (خلاصے کی شکل میں)

(۹) حسرۃ المسترشد بوصال المرشد از مولانا عبد الباری (مطبوعہ عربی)

(۱۰) حوالۂ بالا۔ حاشیہ ص۳

(۱۱) احوال علمائے فرنگی محل از شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی (مطبوعہ اردو)

(۱۲) حوالۂ بالا۔

(۱۳) تذکرۂ علمائے فرنگی محل (مطبوعہ) میں قلمی اضافے۔

(۱۴) حوالۂ بالا۔ (مطبوعہ) ص۲۔

(۱۵) حوالۂ بالا۔

(۱۶) حوالۂ بالا ص۲

(۱۷) حوالۂ بالا۔

(۱۸) احوال علمائے فرنگی محل (مطبوعہ) سنہ ۱۹۳۰ء۔

(۱۹) حوالۂ بالا۔

(۲۰) حوالۂ بالا۔

معین بن محمود کشمیری

اور

صحیح البخاری کے چند اور نایاب نسخے

از

جناب حکیم محمد عمران خاں، عربی فارسی ریسرچ انسٹیٹیوٹ ٹونک

راقم کا ایک مضمون "معین بن محمود کشمیری اور ان کی تصانیف" کے عنوان سے رسالہ "معارف" عدد ۳ جلد ۹۹ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا، حال میں فہرست کی تیاری کے سلسلہ میں، عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، راجستھان، ٹونک کے (جس میں سعیدیہ لائبریری ٹونک کے تمام مخطوطات بھی مدغم کر دیئے گئے ہیں) حدیث کے مخطوطات کو تفصیلی طور پر پھر دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو خوش قسمتی سے صحیح البخاری کے چند اور نایاب نسخوں کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، جو مولانا معین بن محمود کشمیری (المتوفی ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء) کی ملکیت یا ان کے مطالعہ میں رہ چکے ہیں اور ان نسخوں میں سے ایک نسخہ پر وہ اصل سند بھی مرقوم ہے، جو انھیں ان کے استاذ مولانا حیدر ابن فیروز کشمیری (المتوفی ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء) نے خود اپنے قلم سے دی تھی، جسے مولانا معین بن محمود نے اپنے کتابت کردہ صحیح البخاری کے اس نسخہ پر اپنے قلم سے نقل کیا ہے، جس کی تفصیل محولہ بالا مضمون میں دی گئی ہے،

مولانا حیدر، حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کے شاگرد اور ہندوستان کے مشہور اساتذۂ حدیث میں گذرے ہیں، جن سے اس علاقہ کے متعدد علماء کو شرف تلمذ

حاصل رہا ہے، ان کے تلامذہ میں مولانا ہاشم بن اسماعیل بن موسیٰ کشمیری بھی تھے، وہ مولانا معین ابن محمود کے ساتھیوں میں تھے، ان ہی کے قلم سے لکھا ہوا صحیح البخاری کا ایک نسخہ بھی اس ادارہ میں محفوظ ہے، یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، اور اُس اصل نسخہ سے منقول ہے، جو خود مولانا حیدر کشمیری محدث کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا تھا، اور جس طرح مولانا معین کشمیری نے اپنا نسخہ نقل کر کے اور باقی حصہ دوسرے کاتب سے نقل کرا کے اسکی تصحیح و تحشیہ کا کام انجام دیا تھا، اسی طرح مولانا ہاشم کشمیری نے بھی اس نسخہ کی کتابت کر کے اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام خود کیا ہے، جیسا کہ مندرجۂ ذیل تفصیلات سے قارئین کو اندازہ ہوگا۔

"معارف" میں شائع شدہ مضمون ترتیب دیتے وقت مولانا معین کشمیری کی تیار کردہ صحیح البخاری کی صرف جلد اول میرے پیش نظر تھی، اس وقت الحمد للہ وہ دوسری جلد بھی پیش نظر ہے، جو مولانا معین نے کسی دوسرے کاتب سے نقل کرا کے، ابتداءً اُس کی تصحیح و تحشی کی ہے اور پھر اپنے استاذ گرامی مولانا حیدر کشمیری سے، اس کے آخر میں اپنی سند و اجازت تحریر کرائی ہے، جلد اول پر مولانا معین نے یہ سند اپنے قلم سے نقل کی تھی، اور اس جلد دوم پر یہ اصل سند خود مولانا حیدر مرحوم کے قلم سے لکھی ہوئی محفوظ ہے،

صحیح البخاری کی یہ جلد ثانی باب فضائل اصحاب النبی سے شروع ہو کر آخر کتاب تک ہے، سفید وحنائی، غیر مجدول کاغذ پر، خط نسخ میں لکھا ہوا خوشخط نسخہ ہے، جو اول سے آخر تک محشی ہے، تصحیح اور کچھ حواشی خود مولانا معین کے قلم سے ہیں، اس جلد کے کاتب کوئی عبد الرحیم ہیں، اور کتابت مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے، خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی جلد اول جس پر سابق مضمون شائع ہوا اُس کے کاتب بھی شاید یہی عبد الرحیم ہوں، زیر نظر جلد کے کاتب نے اگرچہ اپنا نام اور تاریخ کتابت علیحدہ نہیں لکھی ہے، لیکن کتاب کے ختم پر ترقیمہ عربی نظم میں دیا ہوا ہے، جس میں تاریخ و سنہ کتابت

کا بھی ذکر ہے، لیکن سنہ واضح نہیں، ذیل میں منظوم ترقیمہ بعینہ نقل کیا جا رہا ہے :-

"الحمد للہ المهیمن اولا   والشکر اولہ وآخرہ الا
الاٰ ؤ لا حوت العدی سیما   ابنا أدم بالاحادیث العلا
ثم الصلوٰۃ مع السلام علی الذی   زان الوریٰ بحدیثہ متجملا
لاسیما عبد الرحیم من انجلت   اتلامہ بحدیثہ فقد انجلا
کتب البخاری فی سنتین مجاوراً   ام القریٰ دار القریٰ بیت العلا
واتمہ فیہا وصححہ بما   صح الصحاح بہ صحیح من علا
فرغت یداہ عن الکتابۃ فانقضت   اخری جمادی سدس ثلث فقد خلا
قد کان سادسہا الخمیس بہ انتہت   سنتا الکتابۃ فالکتاب تکملا
یا حاسبی حمل الحساب فحا   سبوا تاریخہ مُحصّلا
اللہ یرحم کاتبا ومجددا   ابی عابدیہ تفضلا
وعلی النبی صلوٰتہ وسلامہ   وعلی الھداۃ ومن الیھم اقبلا

تمت کتابۃ الجامع الصحیح البخاری بعون اللہ المهیمن وحسن توفیقہ"

مذکورۂ بالا ترقیمہ کے ختم ہوتے ہی زیریں ایک گوشہ میں تصحیح کا نوٹ اس طرح درج ہے:-

"واللہ تعالیٰ اسأل ان یوفقنی فی...... تصحیح...... صحیح البخاری و تحشیہ والحمد للہ علیٰ ذالک مصلیاً ومسلماً علیٰ حبیبہ ونبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التاریخ اثنین مضت...... من شھر جمادی الاولی سنۃ ۱۰۶۱ھ [illegible]"

ترقیمہ والے آخری صفحہ کے حاشیہ پر وہ اصل سند درج ہے، جو مولانا حیدر کشمیری نے مولانا معین بن محمود کو دی ہے، یہ پوری عبارت مولانا حیدر کے قلم سے ہے، البتہ ابتداء میں مختصر عبارت

بطور عنوان کے مولانا معین بن محمود کے قلم سے اس طرح درج ہے:-

"یکتب بدستخط مولانا حیدر اجازۃ الفقیر الحقیر . . . الحمد للہ علی اتمام اول الخطبۃ ۔ الخ"

اس کے بعد مولانا حیدر کی دی ہوئی اصل سند شروع ہو جاتی ہے، یہ سند، شائع شدہ سابق مضمون میں بھی نقل کی گئی تھی، لیکن چونکہ اس نسخہ کے بعض حصے کٹے ہوئے تھے، اور یہ اصل سند بھی کرم خوردہ ہے اس لئے دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے ذیل میں وہ سند دوبارہ نقل کی جا رہی ہے، تاکہ اس وقت جو حروف یا الفاظ پڑھنے میں نہیں آسکے تھے، ممکن ہے اس میں واضح ہو جائیں:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمد اللہ علی عظمۃ جلالہ واشکرہ بجزیل نوالہ واثنی علیہ ثناء لاینقطع بل یزید، رافعًا اکف الضراعۃ والابتہال فی ان یوفقنا لما یحب ویرضی، واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، الموصوف بصفۃ الکمال، المنعوت بنعوت الجلال والجمال واشہد ان سیدنا محمدًا عبدہ ورسولہ ذو المقام الاعلی الاس فم . . . . بل الخلائق اجمع صلی اللہ علیہ وعلی . . . . مصابیح الظلم وینابیع الحکم ۔ اما بعد فلما شمر عن ساق جدہ فی خدمۃ علم الحدیث الشریف وسعی فی الارتقاء الطو . . . المنیف . . . . الزمان واغتنم الفرصۃ بتوفیق الملک المنان الشیخ الفاضل الصالح الکامل الناسک الاعز الاکرم معین الملۃ والدین خاوند بن حضرۃ قدوۃ العارفین، زبدۃ آل طٰہٰ و یٰسین خواجہ خاوند محمود نور اللہ ضجیعہ النقشبندی علوی الحسینی شکر اللہ سعیہ وحصل منہ مایکفیہ بجد منہ ویغنی فی . . . . فطلب الاجازۃ . . . . وان لم اکن صالحًا لذالک ولکنی احببت اقتداء للسلف الصالحین

وبقاء لہذہ السنۃ السنیۃ واجزت لہ ان یروی عنی کتاب مشکوٰۃ المصابیح وجمیع . . . . روایۃ عنی مما اجازنی شیخی ومرشدی وحید عصرہ وفرید دہرہ الشیخ المحدث عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی . . . . . . اجازۃ تامۃ . . . کما ینبغی . . . . مطلقۃ عامۃ والمرجو من الشیخ المذکور ان لاینسانی واولادی من صالح دعواتہ فی خلواتہ وجلواتہ جزاہ اللہ خیرًا۔ کتب ہذہ الاسطر العبد الضعیف الفقیر الی اللہ القوی حیدر بن فیروز الکشمیری الچرخی عفی عنہ . . . . فی لیلۃ السابعۃ من جمادی الاخری سنۃ الف واربع وخمسین"

کرم خوردگی کی وجہ سے اس اصل سند کے اب بھی کئی الفاظ رہ گئے ہیں، جو پڑھے نہیں جا سکے لیکن سابق اشاعت کے مقابلہ میں سند کے بہت سے الفاظ اب واضح ہو گئے ہیں،

ترقیمہ اور مذکورہ سند کے صفحہ ختم ہو جانے کے بعد اس کی پشت پر (غالبًا) خود مولانا معین ابن محمود کشمیری کے قلم سے ایک دوسری سند درج ہے، جو محدثین کے طریقہ کے مطابق حدیث مسلسل کی سند ہے، مگر اس کی دو ایک ابتدائی سطریں پڑھنے میں نہیں آسکیں، باقی حصہ جو مایقرأ ہے وہ اس طرح ہے:-

. . . .

. . . . بسرعۃ لکن عادۃ مشائخ الحدیث ان یکتبوا لبعد کتابۃ الاستاد الاجازۃ حدیثا مسلسلا، اردت . . . . . الاجازۃ حدیثا کذا، فاخترت حدیث الراحمون رجاء ان یرحمنی اللہ تعالی ببرکتہ وکتب الاستاذ . . . . ملا حیدر قال حدثنی شیخی وسیدی حافظ الوقت الشیخ الموفق

عبد الحق بن سیف الدین الدهلوی، نفعنا الله . . . . عن الاحادیث المسلسلة، قال حدثنا الشیخ الصالح الموفق عبد الوهاب بن فتح الله الرومی احد الفقراء الشیخ عبد الوهاب . . . . . وهو اول حدیث سمعته منه، قال حدثنا شیخنا الامام العلامة الشیخ الکبیر محمد بن افلح الیمنی وهو اول حدیث سمعته منه، قال حدثنا العلامة وحید الدین عبد الرحمٰن بن ابراهیم العلوی وهو اول حدیث سمعته، قال حدثنی شیخنا الامام شمس الدین السخاوی . . . . وهو اول حدیث سمعته منه، قال حدثنی جماعة کثیرون جداً، اجلهم علماً وعملاً . . . . . شیخی الاستاذ الحجة الناقد، شیخ مشائخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی الشافعی، عرف بابن حجر سماعاً من لفظه وحفظه وهو اول حدیث سمعته منه، قال حدثنی به حافظ الوقت ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسن العراقی وهو اول حدیث سمعته منه، قال ح و اخبرنی به غالباً الشیخ شمس الدین بن احمد . . . . التدمری اجازة وهو اول حدیث رویته عنه، قال وهو العراقی قال حدثنا به المقتدر ابو الفتح محمد بن محمد بن ابراهیم . . . . . . وهو اول حدیث قال العراقی سمعته منه، وقال التدمری حضرته عنده، قال حدثنا به النجیب ابو الفرج عبد اللطیف بن عبد المنعم . . . . . . اول حدیث سمعته منه، حدثنا به الحافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی وهو اول حدیث سمعته منه قال حدثنا به ابو سعید . . . . صالح احمد بن عبد الملک النیسابوری وهو اول حدیث سمعته منه، قال حدثنا به ابو الطاهر محمد بن محمد بن محمد بن الهادی

وهو اول . . . . . منه، قال حدثنا به ابو حامد بن محمد بن یحییٰ البزاز وهو اول حدیث سمعته منه، قال حدثنا به سفیان بن عیینه وهو اول . . . . . . منه سفیان عن عمرو بن دینار عن ابی قابوس، مولیٰ عبد الله ابن عمرو بن العاص عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما اجمعین (عن رسول الله صلی الله علیه وسلم) قال، الراحمون، یرحمهم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ، ارحموا من فی الارض، یرحمکم من فی السماء "

مذکورۂ بالا اسنادات اور ترقیمے سے اس بات کا پوری طرح اندازہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں جلدیں ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، اور مولانا معین بن محمود کشمیری کی ملکیت میں رہی ہیں، اور جس طرح جلد اول کا باقی حصہ (جس پر سابق مضمون شائع ہو چکا ہے) انھوں نے دوسرے کاتب سے نقل کرا کے تصحیح کی تھی، اسی طرح یہ جلد بھی دوسرے کاتب سے لکھوا کر تصحیح کی گئی اور اسکے آخر میں اپنے استاذ مولانا حیدر سے سند لی گئی ہے، اگر ایسی بات ہے تو پہلی جلد کے باقی حصے کی کاتب بھی عبدالرحیم ہی ہونگے جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا، خط بھی دونوں جلدوں کے ملتے جلتے ہیں اسیطرح دونوں جلدیں مکمل ہو جاتی ہیں۔

اس موقع پر اس طویل تحریر کا یہاں بطور یادگار نقل کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے، جو مولانا معین نے جلد اول کے آخر میں لکھی ہے اور اس وقت مضمون کی طوالت کے پیش نظر نقل نہیں کی گئی تھی، جس کا حوالہ شائع شدہ مضمون میں ص۲۲۶ و ص۲۲۷ پر دیا گیا ہے،

شائع شدہ مضمون میں ص۲۲۶ پر یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اس تحریر کی ابتدا میں بالائی حصہ پر وہ قطعہ اور مہر درج ہے جس کی اشاعت ہو چکی، اس کے بعد مذکورہ طویل تحریر اس طرح پر ہے :-

"بسم الله الرحمٰن الرحیم وبه نستعین یا معین — الحمد لله الذی

ووفقنا لتصحیح کتاب البخاری وتحشیه وتلاوة احادیث رسوله وحبیبه صدر
الموجودات ونبذ المخلوقات محمد المحمودة اقواله وافعاله صلی اللہ علیه وسلم
وعلی آله واصحابه حملة علومه و . . . . . ادابه، اما بعد فیقول افقر عباد اللہ
الغنی معین الدین خاوند بن قدوة مشائخ الدین والعلماء الربانیین
خواجه خاوند محمود العطاری النقشبندی العلوی الحسنی الحصاری البخاری
لما کان کتاب صحیح البخاری اصح کتب الحدیث، بل لا کتاب تحت ادیم السماء بعد
کتاب اللہ اصح منه واجمع لاحادیث النبویة وانفع لطالب منافع الاخرویة،
تعلق الخاطر الفاتر بقراءته وتصحیح لفظه وروایته . . . . لکتابة حواشیه
رجاء ان یکون عاملا بما فیه من العلوم فی الدنیا وداخلا فی زمرة العلماء
. . . . فلما تمت کتابة بعضها الاول بید الفقیر . . . . حتی
جدول الذهب، مع رسالة اخری . . . . . عشرین جزواً واحد جزء فی اوسط
. . . . عشرین، وباقیها بید الکاتب، ولکن کتبت مع جمع حواشیه من
اوله الی آخره مع تصحیح لغات . . . . . کاملة، واردت ان وفقنی اللہ
تعالی ان یطوف به بیت العتیق، زادها اللہ شرفاً . . . . . . النبی الامی
صلی اللہ علیه وسلم والازم علماء مدینة الرسول علیه افضل الصلوات
واکمل التحیات، فاقرأ عند عالم من علماء المدینة بعضا منه، حتی یحصل
لی اجازة بعد اجازة، والتمس ان یکون هذا الکتاب وقفا عنده حتی یقرأ
من شاء متی شاء من اهل العلم، وارجو ان لا ینسونی فی دعواتهم المستجابة
مع احبائی واولادی فی خلواتهم وجلواتهم. رضی اللہ عنهم وعنا مع

احبابنا، آمین یارب العالمین، ویعلمی ان لا وسیلة لی الی سدته المنیعة
وبابه العلی، غیر تصحیح هذا الکتاب وتحشیه، جعلته وقفا لمرضات
ربی ومرضات رسوله صلی اللہ علیه وسلم ونرجو بشفاعة حبیبه
علیه الصلوٰة والسلام وان لم یکن من حیث تصحی لائقا لجنابه، رجاء
ان یتوجه اللہ الکریم ویقبل به الحق وسیسمی باسمی ویذکرنی بلسانه
الشریف علیه الصلوٰة والصلوات بعدد قطرات الامطار وبعدد اوراق
الاشجار وبعدد دواب البراری والبحار وبعدد رمل البراری والبحار
وبعدد کل ذرة الف الف مرة۔ اللّٰهم اجعلنا من محبیه ومحبی محبیه،
واجعل حبه احب الاشیاء عندنا ومن انفسنا ومن اهلنا واموالنا و
واولادنا واغفر ذنوبنا واستر عیوبنا، ببرکة تصحیح احادیث رسولك
الکریم ونبیك العظیم، واجعلنا . . . . فی الحیاة وبعد الممات،
وادخلنا جنتك فی جوار اولیائك وآبائنا الکرام، آمین آمین یا
رب العالمین"۔

اس کے بعد مولانا حیدر کشمیری کی دی ہوئی مذکورہ بالا سند نقل کی گئی ہے، جو سابق مضمون میں بھی شائع ہو چکی ہے، لیکن اس سند کو نقل کرنے سے پہلے عنوان اس طرح دیا گیا ہے:-

"طریق اجازة الاحادیث من استاذی مولانا علامة الدهر ملّا حیدر
نور اللہ مضجعه بهذا الطریق"۔

اس کے بعد بسم اللہ کے ساتھ وہ سند شروع ہو جاتی ہے جس کی اصل مولانا حیدر کے قلم سے جلد ثانی کے آخر میں ہے، اور جسے جلد اول کے ختم پر مولانا معین نے مذکورہ نوٹ کے ساتھ

درج کی ہے، مذکورۂ بالا دعائیہ الفاظ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جلد اول کا مذکورہ بالا نوٹ مولانا حیدر کے انتقال کے بعد دیا گیا ہے۔ مولانا حیدر نے مذکورہ سند ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء میں دی ہے اور ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء میں اُن کا انتقال ہوگیا، مولانا معین بن محمود کا انتقال ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں ہوا ہے، اس لئے استاذ گرامی کا انتقال ہوجانے کے بعد ہی مولانا معین نے جلد اول کے آخر میں مذکورۂ بالا نوٹ دیدیا ہوگا تاکہ یادگار رہے،

اس سلسلہ کی دوسری جلد دستیاب ہوجانے کے بعد وہ تمام شبہات اور احتمالات تو ختم ہوگئے، جو مذکورہ مضمون میں معارف کے ص ۲۲۹ پر تحریر کئے گئے تھے، البتہ یہ بات اب تک معلوم نہیں ہوسکی کہ مولانا معین بن محمود ان جلدوں کو مدینہ طیبہ لے جاسکے یا نہیں، غالباً نہیں لے جاسکے، اگر لے گئے ہوتے تو علمائے مدینہ میں سے کسی کی سند ان جلدوں میں سے کسی جلد پر ضرور ہوتی، یا کسی طرح کا نوٹ ہی درج ہوتا، لیکن ان جلدوں میں سے کسی جلد پر بھی سفر کی باتوں کا نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہ جلدیں ہندوستان ہی میں رہیں، جو یا تو شاہی کتب خانوں میں داخل ہوگئیں یا علماء کے زیر مطالعہ رہیں،

ہر دو جلد کے دیکھنے اور مطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دونوں جلدوں کے ہر ہر صفحے کے بالائی حصے کی ایک سطر تو محو کی گئی ہے، بغور دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ہر ہر صفحہ کے بالائی حصہ پر "الوقف" لکھا گیا تھا، جسے ہر صفحے سے محو کیا گیا ہے، بعض اور قرائن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، والعلم عند اللہ،

مذہبی رواداری جلد دوم

یہ سلسلۂ مذہبی رواداری کی دوسری جلد ہے، مولفہ سید صباح الدین عبدالرحمن،

قیمت ۱۰

معارف کی بیرونی ڈاک

فرینک فرٹ۔ جرمنی
یکم دسمبر ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم گرامی قدر جناب سید صباح الدین صاحب۔ سلام و رحمت

بحمد اللہ زندہ ہوں، امید کہ آپ اچھے ہوں گے، بین الاقوامی میڈیکل سمینار میں شرکت کے بعد واپسی میں پھر جرمنی کے فرینک فرٹ سے گذر رہا ہوں۔ یہاں آپ کی لندن کی ڈائری یاد آئی جس میں فرینک فرٹ کا ذکر تھا، میں جب بھی جرمنی آیا یا آتا ہوں، تو دو عالمی جنگوں کی ہولناکیاں، بمباریوں کی بازگشتیں اور ہولناکیاں دیکھتا ہوں، بیواؤں کی آہوں یتیموں کی ہچکیوں اور نیم جانوں کی سسکیوں کے سوا کچھ اور سنائی نہیں دیتا، دوسری جنگ تو یاد ہے، جب اہل جرمنی زندگی کے لیے موت اور آبادی کے لیے ویرانی کے دیو بن کر اپنی سرزمین سے نکلے تھے، اور اپنی مسیحی برادری کو للکارا تھا، اور پھر سالہا سال دونوں خاک و خون میں لت پت کشتی لڑتے رہے، آج بھی مسیحی عالم کے افق کی سرخی میں انسانی خون کی گھلاوٹ و ملاوٹ موجود ہے، اس شفق میں کتنی ماؤں کے لال سو رہے ہیں، کتنی بیواؤں کے شوہروں کی آرزوئیں تڑپ رہی ہیں، اور کتنے یتیموں کی بربادیوں کی داستانیں گونج رہی ہیں، غروب آفتاب کے وقت اس کی سرخیوں میں جھانک کر دیکھیے، غروب انسانیت کی جھلکیاں نظر آئیں گی، اب تو تیسری عالمگیر جنگ کے لیے روس و امریکہ تال ٹھونک رہے ہیں، اور مظلوم انسانیت سہمی ہوئی ڈری ہوئی کانپ رہی ہے، یہ ہے اس قوم کی داستان جو اسلام کے خلاف پروپگنڈا میں مصروف ہے،

اور جس کے قلمی ٹھیکہ دار یعنی مستشرقین "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اسلام ایسا ہے، اسلام ویسا ہے۔" کے نعرے بلند کرتے رہتے ہیں، مگر وہ اپنے گریبان میں منھ ڈال کر نہیں دیکھتے کہ کس قدر خون آلود اور داغدار ہے خود ان کی اپنی کہانی،

میڈیکل سیمنار میں ہم نے اپنے مقالہ میں مستشرقین اور طب اسلامی، نیز عربی اور فارسی کے طبی مخطوطات کے بارہ میں ان کی منفیانہ پالیسی پر روشنی ڈالی، جو طب اسلامی کو جادو ٹونا سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ درحقیقت انھوں نے طب اسلامی سے ہی اپنی ابتدا کی ہے، اور ابن سینا کا قانون ۱۹۰۵ء تک مغربی جامعات کے نصاب کا جزو لاینفک تھا، بہرحال احسان فراموش قوم کا گلہ ہی بیکار ہے، چونکہ ہمارا موضوع بالکل نیا تھا، اور اس پر صرف میرا ہی مقالہ تھا، اس لیے سامعین میں غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوئی، اور وہ یہ سنکر متحیر رہے کہ مستشرقین کا رویہ اس قدر منفیانہ رہا ہے، ہم نے بعض تجاویز بھی پیش کیں، مثلاً مستقل کانفرنسوں میں، اسلامی طبی خدمات اور علمائے طب اسلامی کی خدمات کو منظر عام پر لایا جائے، تاکہ نئی مسلم پود کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو، اور وہ ماضی پر اعتماد کے ساتھ حال اور مستقبل کی تشکیل و تکوین کے لیے تیز گام ہو سکے،

ربط کن تاریخ را پاینده شو | از نفسہائے رمیدہ زندہ شو
مشکن ار خواہی حیاتِ لازوال | رشتۂ ماضی ز استقبال و حال تو

بہرحال ہمارا مقالہ اعظم گڈھ کی کانفرنس "اسلام اور مستشرقین" کی توسیعاتی اسکیم کا ایک حصہ تھا،

میڈیکل سیمنار میں دنیا کے ۷۶ ملکوں کے ماہرینِ طب تشریف لائے، نیوکلیر میڈسن کے ماہرین بھی پیش پیش نظر آئے، بے شمار مقالات پیش کیے گیے، نوع بہ نوع خیالات منظر عام پر آئے، اس کانفرنس کا سب سے اہم حصہ وہ تھا، جس میں مغربی دنیا بلکہ مغربی تہذیب کے بیمار معاشرہ میں سسکتی ہوئی انسانیت کس طرح دم توڑ رہی ہے، کے موضوع پر بحث کی گئی، منشیات

کی آفت، جنسیات کی لعنت نے جسم انسانی کو کس طرح کھوکھلا کر دیا ہے، اور اس کی لعنتوں نے ذہن انسانی کو کس قدر مفلوج کر دیا ہے، اور اس سے سارا عالم کس طرح متاثر ہوا ہے، اور ہو رہا ہے وغیرہ، مضامین اسناد و دستاویزات کی روشنی میں سامنے لائے گیے، مقالات پیش کرنے والوں میں مسلمان، عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی تھے، ایشیا اور یورپ و امریکہ کے معروف ڈاکٹر، پروفیسر، سرجن، معالج اور ریسرچ اسکالر اس میں شریک تھے، اس میڈیکل سیمنار کے پیچھے جو ذہن کارفرما تھا، وہ یہ کہ انبیائے کرام روحانی ڈاکٹر کی حیثیت سے عالم میں تشریف لائے، اور انسانیت کے امراض کا روحانی علاج پیش کیا، طبیب اور میڈیکل ڈاکٹر جسمانی معالج کی حیثیت سے معاشرہ کی بیماریوں کو دور کرنے کے ذمہ دار ہیں، مگر روحانی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، یا محض پیشہ دارانہ ذہن کے ساتھ فن طب کو کسب معاش کے لیے استعمال نہیں کر سکتے، نہ ہی تمام طبی سہولتیں محض امراء کے لیے مخصوص کی جا سکتی ہیں، اور غرباء ان سے محروم رکھے جا سکتے ہیں، جیسا کہ آج ہو رہا ہے، یعنی گراں دواؤں اور علاج و معالجہ سے صرف امراء ہی استفادہ کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں، غریب کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے، غرباء اور کمزوروں کے ساتھ طبی انصاف انسانیت کا تقاضا ہے، اور امراء کی مونوپلی کی پالیسی قابل مذمت ہے، سیمنار کا دوسرا موقف جو کھل کر سامنے آیا، وہ یہ تھا کہ جنسی انتشار اور فواحش و منکرات کی کثرت نے معاشرہ میں طاعون یا ہیضہ کی صورت اختیار کر لی ہے، اس کا حل اسی وقت ممکن ہے، جب انسان قانون الٰہی کا پابند ہو، اور مرد و زن کے تعلقات حدود اسلامی کے اندر ہوں، آج کی نام نہاد تہذیب جو اقدام اور روشن خیالی کا دعویٰ کرتی ہے، جرائم اور بدکاریوں کی روک تھام نہ کر سکی جنسی امراض کی تفصیلات، سفلس اور گونوریا کی کثرت اور ان کے انسداد سے حکومت کی بے بسی اور قومی دولت کے اسراف پر یورپ کے اطباء نے روشنی ڈالی، ان امراض کے انسداد کے لیے سالانہ

بجٹ اور قومی دولت کا بڑا حصہ صرف ہو رہا ہے، معصیت اور گناہ کرنے والوں کے پیدا کردہ مصائب میں قومی دولت کا زیان ناقابل برداشت ہے ـــــــ یہی لعنت اب مشرق میں بھی پھیلتی جا رہی ہے، بحث کا خلاصہ یہی نکلا کہ قانون الٰہی سے سرتابی کا یہی نتیجہ ہے، یہی روحانی اور جسمانی صحت کے زوال کا اصل سبب بھی ہے، اس امر کا انکشاف بھی ہوا کہ سوزاک اور سفلس جو پہلے قدیم تہذیبوں کے امراض تصور کیے جاتے تھے، آج تہذیب نوی کے امام امریکہ کا اصل مرض بن گیا ہے، ان امراض کے شکار والدین کے بچے ـ معصوم اور بے گناہ ـ بے شمار امراض اپنے خون و جگر میں لے کر پیدا ہو رہے ہیں، اس کی روک تھام کے لیے قومی دولت کا بڑا حصہ صرف ہو رہا ہے، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والی بات صادق ہے، اعداد و شمار کے مطابق امریکی ڈاکٹروں نے بتایا کہ دس ملین انسان سالانہ اس مرض کا شکار ہیں، یہی حال غیر ازدواجی جنسی تعلقات کی آفات کا ہے، لواطت یا ہوموسکس بھی قدیم تہذیب کی لعنت تھی مگر آج یورپ و امریکہ کی نئی تہذیب کی مقبول تحریک ہے، برطانوی پارلیمنٹ نے برضا اس عمل کو جائز قرار دے دیا ہے، اور امریکہ میں اس کی مخالفت کو غیر قانونی قرار دیا جا رہا ہے، یا دینے کی سعی جاری ہے،

مغربی ممالک کی وزارتہائے صحت اور طب کی جو رپورٹیں اور اعداد و شمار کانفرنس میں سامنے آئے، وہ روح فرسا تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے امراض اب اختیار سے باہر ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور مغرب نے تہذیب کے نام پر ان امراض کو ایشیا اور افریقہ میں بھی برآمد کر دیا ہے، افریقہ کے ممالک میں ان امراض نے وہی صورت اختیار کر لی ہے، جو مغربی ممالک کی ہے، افریقہ میں ان امراض کی وجہ سے اسٹرلائزر کی تحریک ایسی چلی ہے کہ افریقی ایک دن اپنی نسل سے ہی محروم ہو جائیں گے، اور بقیہ پس ماندہ آبادی مسیحی دین قبول کر لے گی۔

مغربی تہذیب کی یہ بے بسی فکری و تہذیبی تضاد کا نتیجہ ہے، سبب اور مسبّب میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک طرف ذرائع ابلاغ عامہ اخبارات، مجلات ریڈیو T.V. وغیرہ نے فواحش و منکرات کی اشاعت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے، جس کے نتائج حسب توقع ظاہر ہو رہے ہیں، دوسری طرف ان امراض کی روک تھام کے لیے سالانہ قومی بجٹ کی بڑی رقم ان امراض کی روک تھام پر صرف ہو رہی ہے، جس میں معصوم عوام کے ٹیکس کی رقم بھی شامل ہے، یہ آفت سبب و مسبّب کے درمیان منطقی ربط کا نتیجہ ہے، جب تک امراض کے سبب یا اسباب کا انسداد نہ ہوگا، نتائج یا مسبّب ظاہر ہوتے رہیں گے،

خدا کرے اس سمینار کے مثبت اثرات ظاہر ہوں، اس وقت ریڈیو سے سات بجے کی جو خبر سنی، ایسا معلوم ہوا کہ میں فرینک فرٹ میں نہیں، اسرائیل میں بیٹھا ہوا ہوں، یعنی ایک عالمی محاذ ہے جو اسلام، مسلمان اور عربوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔

والسلام

سید حبیب الحق ندوی

مکاتیبِ شبلی

یہ دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد میں مولانا کے ہر شعبۂ زندگی کے مشاہیر، معاصرین، اعزا اور احباب کے نام خطوط ہیں، اور دوسری جلد میں ان کے تلامذہ اور شاگردوں کے نام خطوط ہیں، جس کی ابتدا مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نام کے خطوط سے ہوئی ہے، یہ تمام خطوط مولانا کے قومی و ملّی خیالات، ان کے علمی تعلیمی نکات اور ان کے نجی حالات و واقعات پر مشتمل ہیں، ان دونوں جلدوں میں ان کے دور کے مسلمانوں کی پوری تاریخ آگئی ہے،

قیمت جلد اول ۱۶ روپے، جلد دوم ۱۳ روپے "منیجر"

ادبیات

مزارِ اقبال پر

از جناب جگن ناتھ آزاد صاحب جموں

منزلِ جاناں کو جب یہ دل رواں تھا دوستو
تم کو میں کیسے بتاؤں کیا سماں تھا دوستو

ہر گماں پہنے ہوئے تھا ایک ملبوسِ یقیں
ہر یقیں جاں دادۂ حسنِ گماں تھا دوستو

دل کی ہر دھڑکن مکان و لامکاں پر تھی محیط
ہر نفس رازِ دو عالم کا نشاں تھا دوستو

کیا خبر کس جستجو میں اس قدر آوارہ تھا
دل کہ جو گنجینۂ سرِ نہاں تھا دوستو

ڈھونڈنے پر بھی نہ ملتا تھا مجھے اپنا وجود
میں تلاشِ دوست میں یوں سرگراں تھا دوستو

مرقدِ اقبال پر حاضر تھی جب دل کی تڑپ
زندگی کا ایک پردہ درمیاں تھا دوستو

قرب نے پیدا کیا تھا خود ہی دوری کا سماں
فاصلہ ورنہ کوئی حائل کہاں تھا دوستو

بے خودی میں جب مرے ہونٹوں نے چوما قبر کو
میرا سینہ سجدہ گاہِ قدسیاں تھا دوستو

روبروئے جلوۂ مرقد، وجودِ کم عیار
زرِ ناقص شرمسارِ امتحاں تھا دوستو

پردۂ دل میں نہاں تھی تہ بہ تہ جو خامشی
عشق کا وہ بھی اِک اندازِ بیاں تھا دوستو

جلوہ گاہِ دوست کا عالم کہوں اب تم سے کیا
جلوہ ہی جلوہ وہاں تھا میں کہاں تھا دوستو

سجدہ گاہِ قدسیاں تھا یا نہ جانے کیا تھا وہ
جو مری نظروں کے آگے آستاں تھا دوستو

دل نے ہر لمحے کو دیکھا اک نرالے رنگ میں
لمحہ لمحہ داستاں در داستاں تھا دوستو

جس کے شعرِ نغمگی پر وسعتِ عالم تھی تنگ
فلسفے کا وہ جو بحرِ بیکراں تھا دوستو

سو رہا تھا خاک کے نیچے جہانِ زندگی
رازِ ہستی میری نظروں پر عیاں تھا دوستو

کاش تم بھی میری پلکوں کا نظارہ دیکھتے
یہ نظارہ کہکشاں در کہکشاں تھا دوستو

غزل

از جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

کارنامے ہیں ابھی راز میں دیوانوں کے
یہ فسانے ابھی محتاج ہیں عنوانوں کے

پانوں چومتے ہیں جدھر بھی ترے دیوانوں کے
ذرّے تعظیم کو اٹھتے ہیں بیابانوں کے

آرزو ہی سے ہے دنیائے محبت کا وجود
زندگی رقص میں ہے جب تک ہیں ارمانوں کے

خشک لب، لب بستہ، بہ دل، برہنہ پا، خاک بسر
خاص انداز یہی ہیں ترے دیوانوں کے

اُن سفینوں کے مقدّر پہ ہنسی آتی ہے
آ سکیں جو نہ مقابل کبھی طوفانوں کے

ملتی رہتی ہے ہمہ وقت گلستاں کی خبر
ہم قفس میں بھی ہیں ممنون نگہبانوں کے

دل میں کچھ اور ہے چہرے سے نمایاں کچھ ہے
کتنے بدلے ہوئے حالات ہیں انسانوں کے

شمع کی سمت بڑھے جاتے ہیں بے خوف و خطر
کوئی دیکھے تو سہی حوصلے پروانوں کے

ہائے وہ قطرۂ بے مایہ کہ جس نے جوہرؔ
پرورش پائی ہے آغوش میں طوفانوں کے

مطبوعات جدیدہ

دعوۃ القرآن تفسیر پارۂ عم } از جناب شمس پیرزادہ صاحب، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۴۰، ہدیہ سات روپیے، پتہ ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹-محمد علی روڈ، بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۳۔

معارف میں ادارۂ دعوۃ القرآن بمبئی کا ذکر پہلے آچکا ہے، جس نے دعوۃ القرآن کے نام سے اردو اور دوسری زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر شایع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، دعوۃ القرآن کی پہلی دو جلدوں پر ان صفحات میں ریویو کیا جاچکا ہے، جو ابتدائی پانچ پاروں کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل تھیں، اب بعض وجوہ سے آخری پارہ کی تفسیر شایع کی گئی ہے، یہ مفید تفسیر دینی و تبلیغی جذبہ سے لکھی گئی ہے، اور اس میں غیر ضروری طوالت اور بے جا اختصار سے پرہیز کیا گیا ہے، لایق مصنف نے سلیس اور عام فہم زبان اور دلنشیں انداز اختیار کیا ہے، تاکہ آیتوں کا مفہوم و مدعا بھی واضح ہو جائے، اور قرآن کا دعوتی و ہدایت والا پہلو بھی پوری طرح سامنے آجائے جس سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور غیر مسلموں کو بھی تشفی ہو جائے۔ مصنف پہلے ہر سورہ کے متعلق ایک مختصر نوٹ قلمبند کرتے ہیں، اس میں اس کے زمانۂ نزول، مرکزی مضمون اور سورہ کے مختلف اجزاء میں بیان کیے گیے مضامین کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، پھر متن مع ترجمہ نقل کرتے ہیں، اور آخر میں آیتوں کی بقدر ضرورت وضاحت و تشریح کرتے ہیں، مصنف نے ہر سورہ کے نوٹ میں نظم کلام کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے، وہ دراصل سورہ کا تجزیہ ہے، جہاں تک سورتوں اور آیتوں کے باہمی

ربط و نظام کا تعلق ہے، اس پر کوئی خاص بحث نہیں کی گئی ہے، انھوں نے سورتوں کے مرکزی مضمون کی وضاحت میں بھی زیادہ غور و فکر سے کام نہیں لیا ہے، دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں "پارۂ عم کی سورتیں بجز سورۂ نصر کے سب مکی ہیں" (ص ۳) حالانکہ انھوں نے سورۃ البینہ اور سورۃ الزلزال کو خود بھی مدنی لکھا ہے، اور عام مفسرین کے نزدیک فلق و ناس بھی مدنی سورتیں ہیں، انگریزی عبارتیں بلا ترجمہ نقل کی ہیں، ترجمے میں بھی کور کسر رہ گئی ہے، قرآن کا ترجمہ ٹھیک اصل کے مطابق ہونا چاہیے، توضیحی فقروں اور جملوں کو قوسین میں لکھنا چاہیے، مگر مصنف نے اس کا خیال نہیں کیا ہے، جیسے كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ میں پہلے کلا کا ترجمہ "ان کی باتیں غلط ہیں" اور دوسرے کا "پھر سن لو ان کے خیالات باطل ہیں"۔ (ص ۶) دونوں جگہ کلا کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا ہے، اور جو ترجمہ کیا ہے، اس کی حیثیت توضیحی ہے، جسے قوسین میں ہونا چاہیے تھا، مگر یہ غیر ضروری ہے، یہی بے احتیاطی مندرجۂ ذیل آیتوں کے خط کشیدہ ترجمے میں بھی کی گئی ہے، كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا الخ (جس روز وہ اسے دیکھ لیں گے تو انہیں ایسا محسوس ہوگا) (ص ۲۲) فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ (پھر جب وہ کانوں کو بہرا کر دینے والی آواز گرج گی) (ص ۲۸) اس میں جاءت کا ترجمہ "گرجے گی" کے بجائے "آئے گی" ہونا چاہیے تھا۔ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا (اور اس تگ و دو سے غبار اڑاتے ہیں) (ص ۱۵۶) مندرجۂ ذیل خط کشیدہ ترجمے محل نظر ہیں، جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا (یہ تمہارے رب کی طرف سے جزا ہوگی اور کافی انعام) (ص ۱۰) ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَى (پھر پلٹا اور مخالفت میں سرگرم ہو گیا) (ص ۱۸) بعض جگہ مفہوم چاہے صحیح ہو لیکن ترجمہ میں الفاظ کی رعایت نہیں کی گئی ہے، مثلاً وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا (اور اس کا دن نکالا) (ص ۱۸) وَالضُّحَى (قسم ہے روز روشن کی) (ص ۱۱۸) ضحی کا صحیح ترجمہ دھوپ اور دھوپ چڑھتے وقت، وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (اور جب لوگوں کو مختلف گروہوں میں) بانٹ دیا جائے گا، (ص ۳۲)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (قسم ہے آسمان کی جو بارش برساتا ہے) (ص ۳) مصنف نے ایک لفظ کا جو ترجمہ کیا ہے اسی لفظ کا دوسری جگہ اس سے مختلف کر دیا ہے، مثلاً وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى میں یزکی کا یہ ترجمہ کیا ہے، (وہ پاکیزگی حاصل کرتا) (ص ۲۶) اور وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّى میں یزکی کا ترجمہ کیا ہے (حالانکہ اس کے اصلاح قبول نہ کرنے کی ...) عام مترجمین و مفسرین نے نازعات وغیرہ صفتوں کا موصوف فرشتوں کو مانا ہے، مصنف کے نزدیک ان کا موصوف ہوائیں ہیں، مگر انہوں نے والسابحات سبحا کا یہ ترجمہ کیا ہے (ان کی جو سبک رفتار ہیں) حالانکہ سبح کے معنی تیرنا ہیں، اس سے خیال ہوتا ہے کہ نازعات و ناشطات کا موصوف ہوائیں ماننا تو درست ہے مگر آخر الذکر صفتوں کا موصوف ہواؤں کے بجائے بادل ہوں گے، اس طرح کی غلطیاں اور بھی ہیں، قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا کام بڑا نازک ہے، اس لیے اس میں مکمل احتیاط بہت ضروری ہے۔

ایران اور مصر میں کتب سوزی :- تالیف استاذ مرتضیٰ مطہری شہید، مترجمہ جناب سید عارف نوشاہی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۴۴، قیمت دس روپیے، پتہ:- مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۴۶-۱ے سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی، پاکستان۔

کتب سوزی اور کتب خانوں کی بربادی کا الزام مدتوں سے مسلمانوں کے سر چلا آرہا ہے، یورپین مورخین نے اس بے اصل قصہ کو اس قدر شہرت دی کہ خود مسلمان بھی اسے صحیح باور کرنے لگے، تا آنکہ متکلم اسلام علامہ شبلیؒ نے ان کے کذب و افترا اور فریب و تدلیس کی ساری عمارت ہی منہدم کر دی، زیر نظر کتاب میں اسکندریہ کے علاوہ ایران میں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں کتبخانوں کی بربادی کے الزام کا جواب دیا گیا ہے، لائق مصنف نے پہلے الزام عائد کرنے والوں کے دلائل

پیش کیے ہیں، پھر اسکندریہ اور ایران میں کتب سوزی کے واقعات کو جعلی اور مہمل ثابت کیا ہے، یہ کتاب ایک ایرانی فاضل استاذ مرتضیٰ مطہری کی تصنیف ہے، جو ایران کے موجودہ انقلاب کے پرجوش حامی اور امام خمینی کے شاگرد ہیں، پاکستان کے اہل قلم جناب عارف نوشاہی نے کتاب کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے، ان کے قلم سے شروع میں ایک مقدمہ اور آخر میں حواشی بھی ہیں، مقدمہ میں مصنف کے حالات اور ان کی علمی و سیاسی خدمات کا مختصر تذکرہ ہے، اس کتاب میں علامہ شبلیؒ کے مقالہ سے زیادہ مدد لی گئی ہے، جو فارسی میں چھپ چکا ہے، یہ کتاب اس حیثیت سے اہم ہے کہ اس میں ایک شیعی عالم نے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ فاروق کی جانب منسوب الزام کی غیر جانبداری سے تردید کی ہے۔

مآثر فاروقی : مرتبہ جناب محمد عبد الرشید صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۹۴، قیمت چار روپیے، پتہ:- ایم۔ اے۔ رشید ریٹائرڈ ٹیچر ۱۱۷/۶۰ ب پریم نگر، کان پور۔

اردو میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مبسوط سوانح عمریاں شائع ہو چکی ہیں، خصوصاً علامہ شبلیؒ نے اسلام کی اس مایۂ ناز ہستی اور اس کے مدبر اعظم کی شخصیت اور کارناموں کی نہایت شاندار اور دلآویز مرقع آرائی کی ہے، اس نئی کتاب میں بھی خلیفۂ دوم کی مقدس زندگی، پاکیزہ سیرت، اہم اوصاف اور غیر معمولی کمالات کو اختصار سے بیان کیا گیا ہے، شروع میں عرب کے محل وقوع، حدود اربعہ، حضرت ابراہیمؑ کی حجاز میں تشریف آوری، اور تعمیر کعبہ کے علاوہ قریش میں بت پرستی کے رواج، ان کی تولیت کعبہ اور ان کے قبیلوں کا تذکرہ بھی ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کی ولادت، خاندان، تعلیم و تربیت، قبول اسلام اور خلافت کے لئے ان کے انتخاب پر بحث کی ہے اور ان کا سراپا بیان کیا ہے، اور لباس و پوشاک اور ازدواج و اولاد کا تذکرہ کیا ہے،

اور بتایا ہے کہ خلافت کے لیے جو اوصاف ضروری تھے، وہ سب ان میں بدرجۂ اتم موجود تھے، پھر حضرت عمرؓ کے اخلاق و عادات کی خوبیاں دکھائی ہیں، اور ان باتوں کو پیش کیا ہے جن سے ان کی عظمت و فضیلت ظاہر ہوتی ہے، مثلاً اصابت رائے، ان کی رائے کے مطابق وحی کا نزول، فہم و اجتہاد، معاملہ فہمی، قیافہ شناسی، مصلحت اندیشی، منصفانہ فیصلہ، حق گوئی، دینی حمیت و جرأت، ایمانی فراست، عبادات میں شغف، حبِ رسول، اتباعِ سنت، زہد و ترکِ لذائذ، مشتبہ چیزوں سے پرہیز، قبولِ حدیث میں شدتِ احتیاط اور چھان بین، عمال سے بازپرس اور ان کو ہدایات، تواضع و انکسار، شہادت، سخن فہمی اور ذوقِ شعری، ہجو گوئی کی ممانعت اور عرب سے یہود و نصاریٰ کا اخراج وغیرہ۔ اس کتاب کا مقصد حضرت عمرؓ کی سیرت و کردار کے جلوے دکھانا ہے، اس لیے اس میں ان کے عہد کی فتوحات اور حکومت کے نظم و نسق پر گفتگو نہیں کی گئی ہے، مصنف نے احادیث و آثار کی مدد سے سیرتِ فاروقی کے اہم اور نمایاں پہلو بیان کیے ہیں، گو یہ واقعات عام کتابوں میں بھی درج ہیں، مگر ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است، مصنف کے دلکش انداز نے تازگی اور جدت کا لطف پیدا کر دیا ہے، مگر جمع و تالیف حدیث کے متعلق ان کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ "احادیث کی جمع و تالیف کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً سو سال بعد... ہوا، امام مالک بن انسؒ پہلے محدث ہیں جنہوں نے حدیث کی سب سے پہلی مستند کتاب مؤطا تالیف کی" (ص ۳۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی احادیث کی جمع و تالیف تحریری صورت میں عمل میں نہیں آئی تھی، (ص ۳۸)

قربانی: از جناب اظہر علی فاروقی، طباعت بہتر، صفحات ۸۸، قیمت ۳ روپے، پتہ اظہر علی فاروقی، ۸/۴۸، دریاباد، الہ آباد ۳۔

اس کتاب میں قربانی کے مسائل، ماہ ذی الحجہ کے فضائل اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے مسنون اعمال بیان کیے ہیں، اور دکھایا ہے کہ قربانی سے دنیا کا کوئی مشہور مذہب بھی خالی نہیں، اسلام نے اور چیزوں کی طرح اسے بھی مشرکانہ اعمال سے پاک کیا، آخر میں بقر عید اور بعض دوسرے تہواروں کے اندر داخل موجودہ غلط رسم و رواج سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ "ض"